مسعود ملت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
بلوچستان میں

مؤلف

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر

اعزاز فضیلت، صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی

ناشر:

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (رجسٹرڈ) (کراچی - پاکستان)

25- جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، پوسٹ بکس نمبر 7324، جی پی او صدر، کراچی- 74400، اسلامی جمہوریہ پاکستان

فون: +92-21-2725150 فیکس: +92-21-2732369

ای میل: imamahmadraza@gmail.com ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

مسعودِ ملت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

بلوچستان میں

مؤلف

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر

اعزازِ فضیلت، صدارتی اعزاز برائے حسنِ کارکردگی

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

ویب سائٹ: imamahmadraza.net

جملہ حقوق بحقِ ادارہ محفوظ ہیں۔

عنوان	.....	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد بلوچستان میں
مرتب	.....	پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر
سنِ اشاعت	.....	۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
تعداد	.....	ایک ہزار
صفحات	.....	64
قیمت	.....	70روپے

ناشر

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

۲۵۔جاپان مینشن، رضا (ریگل) چوک، صدر، کراچی،

اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

فون: +92-21-2725150 فیکس: +92-21-2732369

ای۔میل: imamahmadraza@gmail.com

ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

اسلام آباد برانچ: D-44/4، اسٹریٹ 38، سیکٹر F-6/1، اسلام آباد

فون: +92-51-2825587

عرضِ ناشر

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مرحوم کی شخصیت پر اُن کی زندگی ہی میں بہت کچھ لکھا جا چکا تھا اور اب اُن کے دنیائے فانی سے مرخص ہونے کے بعد بھی بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ جو اُن کی شخصیت و فن کے مختلف پہلوؤں کو آشکارا کر رہا ہے وہ اپنے عہد کی ایک متنوع شخصیت تھے۔ اس لیے اُن پر لکھے جانے کا سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہے گا۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے ڈاکٹر صاحب کی کئی تصنیفات و تالیفات شائع کیں، اس سلسلے کی ایک کڑی ''مسعودِ ملت بلوچستان میں'' ہے، جو ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی تالیف ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر صاحب نے اِس کتاب میں مسعودِ ملت کے اُن دنوں کا تذکرہ پیش کیا ہے جو اُنہوں نے بلوچستان اور اس کے مختلف شہروں میں گزارے، اِس مجموعے میں ماہرِ رضویات کے نادر خطوط بھی ہیں۔ جن سے اُن کی نجی زندگی کا پتہ چلتا ہے، ڈاکٹر انعام الحق کوثر صاحب کے ہم شکر گزار ہیں کہ اُنہوں نے ماہرِ رضویات کے اُن اہم دنوں کو اپنی بیاض زندگی میں محفوظ رکھا اور پھر صفحۂ قرطاس پر لا کر شیدایان ماہر رضویات کے سامنے پیش کر کے ثابت کیا کہ حضرت مسعود ملّت علیہ الرحمۃ کے سرزمینِ بلوچستان میں وجود مسعود سے وہاں کے علمی و دینی حلقوں نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس علاقے میں اردو زبان و ادب پر بھی ان کی تحریر کے اثرات مرتب ہوئے۔

اشرف جہانگیر

لائبریرین و ریسرچ اسکالر

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

☆☆☆

''بلوچستان میں اُردو'' میں درج ہے:[۱]

محمد مسعود احمد گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ، میں اُردو کے پروفیسر ہیں۔ دہلی کے رہنے والے ہیں، قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد میں مقیم ہوئے۔ چند سالوں سے کوئٹہ میں سکونت پذیر ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے بھی علمی اور تحقیقی کام کیا ہے۔ کوئٹہ آنے کے بعد جو علمی و تحقیقی کام کیا اس کی تفصیل یہ ہے۔ یہ مضامین و مقالات مختلف جرائد میں شائع ہوئے:

۱۔ اردو کے مختلف نام اور ان کی تاریخ: سہ ماہی نوائے ادب، بمبئی، جولائی و اکتوبر ۱۹۶۶ء

۲۔ عبدالرشید خاں لائق: قومی زبان، کراچی، اکتوبر و نومبر ۱۹۶۷ء

۳۔ آقائے سرہندی: قومی زبان، کراچی، ۱۹۶۸ء

۴۔ آداب نبوی: سلسبیل، لاہور، نومبر ۱۹۶۷ء

۵۔ شاہ محمد مسعود: ثقافت، لاہور، نومبر ۱۹۶۷ء

۶۔ شعر و شاعری: فاران، کراچی، اگست ۱۹۶۸ء

ذیل کے مضامین اشاعت کے منتظر ہیں:

۱۔ مکاتیب عبدالواحد یکتا دہلوی

۲۔ اُردو کی ترقی پر تقسیم ہند کے اثرات[۲]

۳۔ سعادت

ذیل کی کتابوں کی ترتیب و تحشیہ کا کام کیا ہے:

۱۔ **دائمی تقویم:** مطبوعہ کوئٹہ ۱۹۶۸ء۔ یہ رسالہ مولوی محمد منظور احمد دہلوی کی تالیف ہے۔ کراچی کے اوقات سے متعلق ہے۔

۲۔ **مظہر الاخلاق:** مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء۔ یہ رسالہ حضرت مفتی محمد مظہر اللہ شاہ دہلوی کی تالیف ہے، اخلاقیات سے متعلق ہے۔

۳۔ **ارکان دین:** مطبوعہ کوئٹہ ۱۹۶۸ء۔ یہ بھی حضرت مفتی صاحب ممدوح کی تالیف ہے، فقہی مسائل سے متعلق ہے۔

مندرجہ ذیل کتابیں زیر تدوین ہیں:

۱۔ **تذکرۂ مظہر مسعود:** دہلی کے مشہور عالم و مفتی اور بزرگ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے نامور پوتے حضرت شاہ محمد مظہر اللہ شاہی امام جامع مسجد فتح پوری دہلی کے حالات اور علمی کارناموں کا تحقیقی جائزہ۔

۲۔ **مکاتیب مظہری، جلد اول:** یہ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ ممدوح کے دو ہزار مکاتیب کا منتخب مجموعہ ہے۔

۳۔ **فتاوی مظہری، جلد اول:** حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی کے علمی اور تحقیقی فتووں کا مجموعہ ہے۔

۴۔ **شیخ احمد سرہندی:** حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے حالات، علمی و ادبی کارناموں کا بالاستیعاب تحقیقی جائزہ جس میں مشرق و مغرب کے جملہ حوالوں سے مدد لی گئی ہے۔

۵۔ **خطوط مشاہیر:** پروفیسر محمد مسعود احمد کے نام مشرق و مغرب کے بعض علماء و فضلا کے علمی خطوط کا مجموعہ۔

۶۔ **مظہر العقائد:** یہ حضرت مفتی محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیف ہے۔ پروفیسر موصوف علیہ الرحمۃ ترتیب و تحشیہ کا کام کر رہے تھے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد

اُردو کی ترقی پر تقسیمِ ہند کے اثرات

زبان کی تعمیر و تشکیل اور ترویج و اشاعت میں بہت سے عوامل کام کرتے ہیں لیکن ہجرت اور انتقال مکانی سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔ اردو زبان اسی قسم کے انفرادی و اجتماعی انتقالات کی ان مٹ نشانی ہے، پہلی صدی ہجری میں عرب تاجروں کا جنوبی ہند کے سواحل پر آنا اور چند عرب خاندانوں کا وہاں آباد ہونا، اسی صدی میں محمد بن قاسم کا سابق سندھ پر حملہ کرنا اور ملتان تک عربوں کا پھیل جانا، پانچویں صدی ہجری میں محمود غزنوی کا ہندوستان پر پے در پے حملے کرنا اور لاہور کو اپنی قلمرو میں شامل کرنا، چھٹی صدی ہجری میں قطب الدین ایبک کا دہلی فتح کر کے دارالخلافہ لاہور سے دہلی منتقل کرنا، آٹھویں صدی ہجری میں محمد تغلق کا دہلی کی آبادی کو دولت آباد لے جا کر بسانا وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے بہت سے تاریخی واقعات ہیں جو اردو کی تعمیر و ترویج میں معین و مددگار ثابت ہوئے۔

پاکستان میں اُردو

۱۹۴۷ء میں پاک و ہند میں جو انقلاب آیا وہ لسانی اہمیت کا حامل ہے۔ تقسیم کے نتیجہ میں جو فسادات ہوئے اور پھر جو ہمہ گیر ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا اس نے اردو کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا، مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے جن

علاقوں میں اردو پوری طرح نہ پھیلی تھی اور کچھ اجنبی سے تھی۔ ہجوت کے سیلاب نے وہاں اس زبان کو گھر گھر پہنچا دیا۔ اور گلی کوچوں میں اس طرح بولی جانے لگی، جیسے یہیں کی باسی ہو۔ ہندوستان سے آنے والے مہاجرین کے قافلے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔ اور بعض شہروں کی تو بالکل کایا ہی پلٹ دی جیسے کراچی، حیدرآباد، سکھر، بہاولپور وغیرہ ہجرت کے اس ہمہ گیر عمل سے اردو کی جو اشاعت ہوئی صدیاں گذر جانے کے بعد بھی وہ نصیب نہ ہوتی۔

مہاجرین کے اس پھیلاؤ نے مقامی لوگوں میں اردو سے محبت اور لگاؤ پیدا کر دیا اور یہاں اچھے اچھے ادیب اور شاعر پیدا ہونے لگے۔ تقسیم کے بعد پاکستانی ادب کے افق پر ابھرنے والے مقامی اور غیر مقامی ادیبوں اور شاعروں کے متعلق کچھ تفصیلات ان کتابوں میں مل سکتی ہیں۔ بنگال میں اردو (وفا راشدی) پاکستان میں اردو (طاہر فاروقی) سندھ کے اردو شعرا (مشتاق علی جعفری) بلوچستان میں اُردو (ڈاکٹر انعام الحق کوثر) وغیرہ وغیرہ۔

مہاجرین کے دم کے ساتھ بہت سے علمی ذخائر بھی ہندوستان سے منتقل ہو کر پاکستان آ گئے۔ جو کچھ نیم سرکاری اور سرکاری کُتب خانوں میں مولوی عبدالحق مرحوم کی ریسرچ لائبریری قابلِ ذکر ہے۔ اسی طرح اور بہت سے کُتب خانے ہیں جو پاکستان بننے کے بعد معرضِ وجود میں آئے۔

حکومتِ پاکستان نے اردو کو قومی زبان کا درجہ دے کر ایک اہم کردار ادا کیا ہے، اس طرح اُردو رفتہ رفتہ دفتروں اور عدالتوں میں گھر کرتی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر کراچی میں اسسٹنٹ کمشنر مسٹر اویس نے عدالتی کارروائی اردو میں لکھنے کا آغاز کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت نے عدالتوں کے لیے کتب حوالہ اردو میں تیار کرالی ہیں۔

یہاں پر یہ کام اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے۔ لیکن اِن باتوں سے یہ بتانا مقصود نہیں کہ اردو میں اتنی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ پاکستان کے ارباب حل و عقد میں یہ احساس پیدا ہوگیا ہے کہ اصل ترقی دیسی زبان کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ جہاں تک اردو کی صلاحیت کا تعلق ہے یہاں تذکرۂ ایک یا دو باتیں عرض کرتا ہوں۔

اِنقلاب ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے ۱۸۳۸ء میں جسٹس ایور (Ever) نے ۲۹ جولائی کی ایک یادداشت میں لکھا تھا:

"By way of experiment, I would recommend that depositions in criminal cases before the Session judge be taken in Hindostany."

اسی طرح ۱۸۳۹ء میں صدر عدالت دیوانی اور صدر نظامت کلکتہ نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا تھا:

The court resolve with sanction of his Honour, the Deputy Governor, that the Ordoo Language shall in future be the language of record in all proceedings and orders."

اِنقلاب ۱۹۵۸ء کے بعد حکومت پاکستان نے ادیبوں اور شاعروں کی مختلف طریقوں سے ہمت افزائی کی جس نے زبان وادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ ادب کی توسیع کے لیے متعدد ادارے قائم کیے گئے۔ اور پہلے سے قائم شُدہ اِداروں کو مدد دی گئی۔ اس سلسلے میں ادارۂ مصنفین اردو کا قیام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے اور ترقیاتی بورڈ

(کراچی) اور لاہور کا ترقیاتی بورد بھی قابل ذکر ہے، کئی تحقیقاتی ادارے ایسے ہیں کہ وہ فروغ ادب کے لیے نہیں بنائے گئے مگر ان کا لٹریچر اردو میں شائع ہو رہا ہے۔ اس طرح بالواسطہ اس زبان کی ترویج ہو رہی ہے اس سلسلے میں ادارۂ تحقیقات اسلامیہ (راولپنڈی) قابل ذکر ہے۔ جو ادارے پہلے سے کام کر رہے ہیں ان میں یہ قابل ذکر ہیں۔ انجمن ترقی اردو (کراچی)، اقبال اکیڈمی (کراچی)، ادارۂ ثقافت اسلامیہ (لاہور)، بزم اقبال (لاہور)، مجلسِ ترقی ادب (لاہور) وغیرہ وغیرہ۔ موخر الذکر ادارے نے گذشتہ آٹھ سالوں میں ۱۶۴ کتابیں شائع کی ہیں جن میں بیشتر اردو میں ہیں۔

ترویجِ زبان کے سلسلے میں پاکستان کی ثانوی تعلیمی بورڈ اور یونیورسٹیوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس سلسلے میں کراچی، لاہور اور پشاور کے بورڈ اور یونیورسٹیاں قابل ذکر ہیں۔ بورڈ اور یونیورسٹی کے نصاب میں اِنقلاب انگیز تبدیلیاں کی گئیں۔ اور اردو کو خاص اہمیت دی گئی۔ کچھ عرصہ پہلے انگریزی پڑھنے والوں کے مقابلے میں اردو پڑھنے والوں کا مستقبل تاریک نظر آتا تھا۔ بالعموم طلبہ اُردو میں ایم اے کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ مگر نصابی تبدیلیوں نے اردو میں خاص دلچسپی پیدا کر دی اور ایک نئی راہ کھول دی۔ چنانچہ اب پاکستان کی یونیورسٹیوں میں اردو میں ایم۔اے کرنے والوں کی کثیر تعداد موجود ہے اور سینکڑوں فارغ ہو چکے ہیں۔ نہ صرف اُن طلبہ نے اردو میں دلچسپی لی جن کی مادری زبان اردو تھی بلکہ سندھ، بلوچستان، پنجاب اور صوبۂ سرحد کے مقامی طلبا بھی بکثرت اردو میں ایم۔اے کر رہے ہیں۔ بلوچستان میں ہمارے کالج میں شعبۂ اردو میں ایم۔اے کرنے والے طلبہ کی تعداد اَسّی فی صد ہے۔

نصابی تبدیلیوں سے قطع نظر یونیورسٹیوں کے اساتذہ بیرونی ممالک کے دورے

کر کے اپنی معلومات سے اردو کو فروغ دے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عبارت بریلوی کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کے اساتذہ اپنے علمی اور تحقیقی کاموں سے برابر دامنِ اردو کو وسیع سے وسیع تر کر رہے ہیں۔

اس سلسلے میں کراچی یونیورسٹی کے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر سید نشا علی، اسلم فرخی وغیرہ، سندھ یونیورسٹی کے ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان، ڈاکٹر احسن فاروقی۔ ڈاکٹر خان رشید اللہ، ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی، پنجاب یونیورسٹی کے ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر عبارت بریلوی، پروفیسر وقار عظیم پشاور یونیورسٹی کے پروفیسر محمد طاہر فاروقی، اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے ڈاکٹر عندلیب شاوانی قابلِ ذکر ہیں۔

بعض یونیورسٹیوں نے اپنے پاس تحقیقاتی ادارے قائم کر رکھے ہیں۔ چنانچہ پنجاب یونیورسٹی میں ایک اہم شعبہ دائرۃ المعارف اسلامیہ گذشتہ کئی برسوں سے ایک اہم کام کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ ادب کے لیے ایک علیٰحدہ شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ اور مفید کام ہو رہا ہے۔ کراچی یونیورسٹی میں بھی شعبۂ ترجمہ و تالیف قائم ہے اور وہاں بھی کام ہو رہے ہیں، سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سندھی لغت نے ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ اردو سندھی اور سندھی اردو لغات کی تدوین کی۔ اس کے علاوہ دیگر یونیورسٹیوں میں بھی کام ہو رہا ہے۔

اگر تقسیم نہ ہوتی تو نہ یہاں اتنی یونیورسٹیوں کا قیام متوقع تھا اور اگر قائم بھی ہوتیں تو ان میں اردو کا مستقبل اتنا روشن و تابناک نہ ہوتا جتنا آج نظر آ رہا ہے۔

پاکستان میں تقسیم کے بعد سے تراجم اور تصنیفات و تالیفات کی رفتار خوش آئند ہے۔ گو ان میں ناولوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے جو کچھ علامت نہیں لیکن مجموعی طور پر

خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور مختلف اداروں نے بڑھ چڑھ کر کام کیا ہے۔ شخصی طور پر بھی لوگوں نے بہت خدمت کی ہے۔ پاکستان میں شائع ہونے والی اردو مطبوعات کی کچھ تفصیلات قاموس الکتب میں مل سکتی ہیں جس کی پہلی جلد انجمن ترقی اردو (کراچی) نے شائع کردی ہے۔ یہ مذہبیات سے متعلق ہے اور اس میں بارہ ہزار مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا ذکر ہے۔ تین جلدیں زیرِ تدوین ہیں۔

ترقی زبان کے سلسلے میں بالواسطہ طور پر سیاسی سطح پر جو کچھ ہو رہا ہے قابلِ فراموش نہیں۔ پاکستان میں مختلف ممالک کے سفارت خانے اردو میں کافی ذخیرہ مہیا کر رہے ہیں۔ خصوصاً روس، امریکہ، چین اور انگلستان وغیرہ کے سفارت خانے اگرچہ ان مطبوعات کی حیثیت سرتاسر سیاسی ہے لیکن پھر بھی زبان اردو کی توسیع میں ان کا اپنا حصّہ ہے۔

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان میں اخبارات و رسائل کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے۔ اور اب تو یہ تعداد سرعت کے ساتھ بڑھتی جا رہی ہے۔ صحافتی امدادی مطبوعات کی تفصیلات کے لیے ایک مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف چند تحقیقی اور علمی رسائل کا ذکر مناسب ہے۔ اردو (کراچی)، قومی زبان (کراچی)، اردو نامہ (کراچی)، اقبال ریویو (کراچی)، الرحیم (حیدر آباد)، نقوش (لاہور)، المعارف (لاہور)، صحیفہ (لاہور)، اقبال (لاہور)، الزبیر (بہاولپور)، فکر و نظر (راولپنڈی)، وغیرہ وغیرہ۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہاں صرف ایک ریڈیو سٹیشن لاہور میں تھا۔ لیکن اب متعدد ریڈیو اسٹیشن ملک کے بڑے بڑے شہروں میں بن گئے ہیں۔ مثلاً کراچی، حیدر آباد، کوئٹہ، راولپنڈی، مظفر آباد۔ پشاور، ڈھاکہ وغیرہ وغیرہ۔ ریڈیو کے اردو پروگراموں سے جو اس علاقے میں اردو کی ترویج ہو رہی ہے۔ وہ اظہر من الشمس

ہے۔ دنیا کے اکثر چھوٹے اور بڑے ملکوں سے اردو پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ بیشتر پروگرام پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد شروع ہوئے ہیں۔

تقسیم سے قبل پاکستان میں کوئی فلمی ادارہ نہ تھا لیکن بعد میں متعدد ادارے قائم ہوگئے۔ چنانچہ اب کراچی، لاہور، ڈھاکہ وغیرہ میں یہ ادارے کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ اردو زبان کی ترویج میں فلمی دنیا نے اہم کردار ادا کیا ہے، ہمارے خیال میں اشاعتِ زبان کے لیے اس سے زیادہ مؤثر ذریعہ آج کل کوئی نہیں۔ اِس موضوع پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ فلمی دنیا کی ادبی خدمات کا جائزہ ایک اہم کام ہوگا۔

ہندوستان میں اُردو:

اس میں شک نہیں کہ تقسیم ہند کے بعد اردو کو بعض حیثیات سے سخت صدمہ پہنچا ہے لیکن چند پہلو ایسے بھی ہیں جن سے اِس زبان کو فروغ ہوا۔ سب سے اہم چیز پاکستان سے ان لوگوں کی ہجرت ہے۔ جن کی مادری زبان اردو نہ تھی۔ بلکہ بلوچی، سندھی، پشتو، بنگالی اور پنجابی وغیرہ بولتے ہوئے وہ لوگ یہاں سے گئے۔ اور ایسے علاقوں میں گئے۔ جہاں سرے سے بلوچی، پشتو اور سندھی کا وجود نہیں لامحالہ اِن مہاجرین نے اُردو کی طرف رجوع کیا اور اس زبان نے ان کی مشکل کشائی کی اور رفتہ رفتہ اردو نے ان لوگوں سے اتنی شناسائی پیدا کرلی۔ جو برسوں کے بعد بھی متوقع نہ تھی۔

ہندوستان کے اکثر غیر مسلم باشندے تنگ نظری یا تعصّب کی وجہ سے اُردو کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے لیکن جو چیز فطری تقاضوں کے تحت پھیلتی ہے وہ عوام وخواص کے ردّ وقبول سے بے نیاز ہوتی ہے۔ اُردو کے اثر ونفوذ کے سلسلے میں یہاں دو واقعات نقل کرتا ہوں۔

عرصہ ہوا کہ آنجہانی پنڈت نہرو کی زندگی میں روس کے سابق وزیر اعظم بلگانن اور کمیونسٹ پارٹی کے فرسٹ سیکرٹری خودشیف کی استقبالیہ تقریب میں دہلی میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں لاکھوں انسان شریک تھے۔ راقم بھی اس زمانے میں وہیں تھا، اس موقع پر پنڈت نہرو نے تکلفاً کچھ دیر سنسکرت آمیز ہندی میں تقریر کی جو وہ لکھ کر لائے تھے۔ سب لوگ ہکا بکا تھے، کسی کے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ پانچ منٹ کی اس تقریر کے بعد اُردو میں تقریر شروع کی اور ابتداء میں طنزاً یہ کہا۔ ''اب'' غیر سرکاری زبان میں تقریر سنیے۔ اور پھر آدھ گھنٹہ تقریر کی جو سب کی سمجھ میں آئی۔

ہندوستان کے بعض تنگ نظر لوگ جس ہندی کا پرچار کر رہے ہیں اس کے متعلق گورنر دہلی ..نے بہت خوب کہا ہے۔ دربار ہال دہلی میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس موقع پر صدارتی تقریر کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ ''سنسکرت اور ہندی کا میں بھی عالم ہوں مگر ہندوستان کے لوگ جس ہندی کو رواج دینا چاہتے ہیں وہ تو افریقہ کے جنگلی انسانوں کی زبان معلوم ہوتی ہے۔'' اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ باوجود مختلف رکاوٹوں کے فطری تقاضوں کے تحت اُردو برابر ترقی کر رہی ہے اور کر رہی ہے اور کرتی رہے گی، تقسیم ہند نے دل و دماغ میں جو عجیب تحریک پیدا کی ہے وہ ترقی زبان کی ضامن ہے۔ گذشتہ دنوں ہندی اور انگریزی کے سلسلے میں ہندوستان کے طول و عرض میں جو فساد ہوئے اس سے ہندی کی مقبولیت کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

پاکستان کی طرح ہندوستان میں بھی حکومت اور مختلف ادارے ادیبوں اور شاعروں کو انعامات دے کر ان کی برابر حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ چنانچہ علی عباس حسینی کو ان کی ادبی خدمات پر پانچ ہزار روپے دیے گئے۔ اس طرح ڈاکٹر وحید اختر کو ان کے مجموعہ کلام ''پتھروں کے مغنی'' پر غالب انعام ایک ہزار پانچ سو روپے، ڈاکٹر خلیق انجم کو اُن کی

تصنیف 'سودا' پر اکبر الہ آبادی انعام ایک ہزار دو سو روپے، اور محمد ابرار حسین کو ان کی کتاب ''مآثر دلاوری'' پر رام پرشاد بسمل انعام آٹھ سو روپے دیے گئے۔ اسی طرح محمد عتیق صدیقی، حرمت الاکرم، نذر امام اور عبدالمجید اسہالوی کو ان کی تصانیف پر پانچ پانچ سو روپے دیے گئے۔ حکومت یوپی نے مختلف موضوعات پر انعامات کے لیے ۱۵۰۰/ رقم خطیر رکھی ہے۔ اس میں اُردو تصانیف پر بھی انعامات دیے جائیں گے، ہندوستان میں اُردو سے دل چسپی کا اندازہ اِس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۳/ مارچ ۱۹۶۸ء کو نئی دہلی میں انجمن ترقی اردو ہند کی عمارت ''اردو گھر'' کا سنگِ بنیاد خود وزیر اعظم اندرا گاندھی نے رکھا اور صدر جمہوریہ کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔ تقسیم سے قبل نہ حکومت کی طرف سے انعامات کا یہ سلسلہ تھا اور نہ اردو کے ادبی اداروں پر یہ نگاہِ کرم تھی۔

یہ بات شاید قارئین کے لیے تعجب خیز ہو کہ تقسیم سے قبل دلّی یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کو مستقل حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ وہ شعبہ السنۂ شرقیہ کے شعبہ میں ضم تھا۔ مگر تقسیم کے کچھ عرصہ بعد شعبۂ اُردو علیٰحدہ قائم ہوا۔ اور اس کا افتتاح سابق وزیر اعظم پنڈت نہرو نے کیا۔ اس شعبے کے صدر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی اُردو ادب کی ترویج و توسیع میں سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ موصوف کی اِدارت میں یونیورسٹی سے ایک علمی اور تحقیقی رسالہ ''اردوئے معلّیٰ'' بھی نکلتا ہے۔ یہاں نادر مخطوطات پر بھی کام ہو رہا ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ اس کے علاوہ بمبئی یونیورسٹی، ہندو یونیورسٹی، سرینگر یونیورسٹی وغیرہ اپنے اپنے دائرے میں اردو ادب میں اضافے کر رہی ہیں۔

پچھلے دنوں خبر آئی تھی کہ صدر جمہوریہ ہند کے ڈاکٹر ذاکر حسین کے ایما پر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے مرزا غالبؔ کے جشن صد سالہ کی بین الاقوامی تنظیمی کمیٹیوں کی تشکیل کے لیے متعدد ممالک کا دورہ کیا۔ مثلاً انگلستان، امریکہ، کناڈا، فرانس، اٹلی،

نیدرلینڈ، چیکوسلواکیہ، سویٹ، یونین اور ایران وغیرہ اور ہر جگہ ایک ایک کمیٹی کی تشکیل کی۔ مرزا غالب نے سچ کہا ہے:

ع شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شُدن

غالب کا ذکر آ گیا ہے تو یہ بھی بتاتا چلوں کہ تقسیم سے قبل ان کا مزار خود اہلِ وطن کی جفا شعاریوں کا شکار تھا۔ بستی نظام الدین دہلی میں بے آسرا پڑا تھا۔ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ اس کوڑی میں ہندوستان کا مایہ ناز شاعر سو رہا ہے لیکن تقسیم کے بعد اس طرف توجہ دی گئی اور اَب تو مزار کیا ہے حجلۂ عروسی معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان میں مختلف اِدارے تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہیں اور بعض کتابیں تو ایسی سامنے آئی ہیں جو پاکستان میں ہونے والی تصانیف سے کہیں زیادہ وقیع ہیں۔ جن مقامات پر سرکاری اور غیر سرکاری ادارے کام کر رہے ہیں۔ ان میں حیدرآباد، اعظم گڑھ، دہلی، علی گڑھ، ٹونک، بمبئی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

کتب خانوں کے معاملے میں ہندوستان، پاکستان پر سبقت لے گیا ہے۔ وہاں ایک قانون کے ذریعہ بعض شروط پر نجی کتب خانوں کو مدد دے کر پبلک لائبریری میں منتقل کرنے کی ترغیب و تحریک کی گئی ہے اور اس طرح بہت سے کتب خانے معرض وجود میں آ گئے۔ اور بہت سا علمی ذخیرہ جو تقسیم سے قبل مخفی تھا ظاہر ہو گیا ہے وہ کتب خانے علیحدہ ہیں جو از سر نو قائم کیے گئے۔ اس سلسلے میں آزاد لائبریری (دہلی) اور آزاد لائبریری (علی گڑھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر لائبریری ایشیا کے کتب خانوں میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔

تقسیم سے قبل ہندوستان سے جو اخبارات و رسائل نکلتے تھے۔ ان میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ کچھ اخبارات و رسائل پاکستان سے ہجرت کر کے ہندوستان گئے ہیں۔ شاید

یہ بات تعجب خیز معلوم ہو کہ تقسیم سے قبل دہلی سے جو اخبارات شائع ہوتے تھے اب اُن کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ ہندوستان کے تحقیقی و علمی رسائل سے بہتر ہیں۔ ان میں یہ رسائل قابل ذکر ہیں۔ برہان (دہلی)، اُردوے معلّٰے (دہلی)، معارف (اعظم گڑھ)، اُردو ادب (علی گڑھ)، نوائے ادب (بمبئی)، سب رس (حیدر آباد) وغیرہ وغیرہ۔

ہندوستانی فلموں کے ذریعے سے اُردو کی جو ترویج و اشاعت ہو رہی ہے وہ محتاجِ بیاں نہیں۔ دُنیا کے گوشہ گوشہ سے یہ ہندی نغمے سامع نواز ہوتے ہیں۔

غیر ممالک میں اُردو:

تقسیم ہند سے قبل پاک و ہند سے بیرونی ممالک جانا بڑی عزّت کی بات تھی۔ خال خال لوگ ہی جایا کرتے تھے۔ لیکن تقسیم نے ایسی تحریک پیدا کی کہ پاک و ہند کے گوشہ گوشہ سے بکثرت لوگ غیر ممالک جانے لگے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ زبان کو بھی لے گئے، انگلستان کے بعض دوستوں سے معلوم ہوا کہ وہاں بعض شہروں میں ہندوستان اور پاکستان کے اس قدر لوگ ہیں کہ علاقے کے علاقے پاکستانی یا ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں۔ بیرونی ممالک سے اس ہمہ گیر دلچسپی نے اردو کو دنیا کے دُور دراز علاقوں میں پہنچا دیا جہاں پہلے ہی وہ متعارف ہو چکی تھی۔

اِنگلستان میں پہلے ہی سے اُردو کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری لندن، میں اردو کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا اِتنا عظیم ذخیرہ ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہاں کی یونیورسٹیوں میں تقسیم کے بعد اُردو پر زیادہ کام ہونے لگا ہے۔ اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز لندن میں اکثر طلبہ اُردو کے مختلف موضوعات اور مخطوطات پر تحقیق کرتے ہیں۔ اس اِدارے کے پروفیسر رالف رسل نے ڈاکٹر خورشید الاسلام کے تعاون سے غالبؔ کی اُردو تخلیقات کا انگریزی میں ترجمہ کیا

ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اردو ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جانے لگی۔ چنانچہ اٹلی میں نیپلز اور روم میں مشرقی زبانوں کے اِداروں میں اردو پڑھائی جاتی ہے، اسی طرح فرانس کے ''اسکول آف اورینٹل لینگویجز'' میں بھی اُردو پڑھائی جاتی ہے، اسی ادارے کے پروفیسر ''اندرے گم برے تیز'' نے مرزا غالب کی بعض غزلوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ماسکو یونیورسٹی، پیکنگ یونیورسٹی، کولمبیا یونیورسٹی وغیرہ میں اُردو کے باقاعدہ شعبے کھلے ہوئے ہیں۔ یہ ساری ترقی تقسیمِ ہند کے بعد ہوئی ہے۔

دُنیا کے مختلف ممالک میں اُردو کی ترقی کے جائزے کے لیے ایک مستقل مقالے کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف رُوس میں گذشتہ سولہ برسوں میں ہونے والے روسی تراجم اور اردو تصانیف کا سرسری طور پر ذکر کرتا ہوں۔

رُوس میں یوں تو ۱۸۰۱ء سے ہندوستانی زبانوں پر مطالعہ کیا جارہا ہے۔ چنانچہ لیبد لیف، پتروف، بنائف گلیفر ونگ وغیرہ نے ۱۹۲۲ء تک بہت کچھ کام کیا ہے۔ ۱۹۲۴ء میں غزلیات غالب کا رُوسی ترجمہ بھی شائع ہوا۔ لیکن تقسیم کے بعد ادبیات اُردو پر جو حیرت انگیز کام ہوا ہے سابقہ سالوں میں اِس کا عُشرِ عشیر بھی نہیں ہوا۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں اُردو رُوسی لغت شائع ہوئی اور ۱۹۵۹ء میں روسی اُردو لغت شائع ہوئی۔ یہ کام برانیکوف کی نگرانی میں بسکروئی اور گراسنو ویسکی نے انجام دیا۔ اُردو کے موضوعات پر کام کرنے والے یہ رُوسی فضلا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ شرتیف، سوئینکوف، اورزوگراف، موخر الذکر نے باغ و بہار (میر امن) اور امراؤ جان (مرزا رسوا) کو رُوسی میں منتقل کیا ہے۔ اِس کے علاوہ مولوی نذیر احمد، منشی پریم چند کی تصانیف کے تراجم بھی پیش کیے۔ غالب کی شاعری، سعادت حسن منٹو کے افسانوں پر بولاتوا، غفاروف اور اسپنا جانتس وغیرہ نے کام کیا۔ اِن کے علاوہ کرشن چندر، راجندر سنگھ

بیدلؔ، احمد ندیم قاسمی، ابراہیم جلیسؔ، ہاجرہ مستورہ وغیرہ کی تصانیف کو رُوسی زبان میں منتقل کیا گیا۔ اردو کتابوں کے روسی تراجم جس طرح روس میں مقبول ہوئے اس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۶۲ء کے درمیان شائع ہونے والے ۶۰ تراجم کے ۲۳ لاکھ ۱۲ ہزار نسخے فروخت ہوئے، تراجم کے علاوہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۶۲ء کے درمیان تقریباً ۸۲ کتابیں اردو میں شائع ہوئیں جو خالص ادبی حیثیت رکھتی ہیں اور ظاہر و باطن دونوں حیثیتوں سے قابل تعریف ہیں۔

پاک و ہند کے پڑوسی ممالک ایران و افغانستان میں اردو کی مقبولیت محتاج بیاں نہیں۔ کچھ عرصہ ہوا، ایران میں جب ہندوستانی فلم ساز راجکپور کی اردو فلم ''سنگھم'' پیش کی گئی تو صرف تہران کے ''حافظ سینما'' میں ۲۶ ہفتے برابر دکھائی گئی اور ایران کے طول و عرض میں تقریباً ۵۰ ہفتے دکھائی گئی۔ یہ بات اس سے قبل نہ تھی۔ اس سے عوامی سطح پر اردو کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

الغرض دُنیا کے بیشتر ممالک میں تقسیم ہند کے بعد اُردو کی جو ترویج و اشاعت ہوئی ہے وہ اس سے قبل نہ ہوئی تھی۔ مغربی ممالک میں مشرقی زبانوں سے بڑھتی ہوئی دل چسپی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ۲۸ اپریل ۱۹۶۷ء کو پیرس میں یونسکو کا اجلاس ہوا اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جلد از جلد سترھویں اور اٹھارویں صدی کے درمیان ایشیائی ادبی ذخیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔ اس فیصلے سے اردو کی توسیع کے اور امکانات بڑھ گئے ہیں۔

مندرجہ بالا اوراق میں تقسیم ہند کے بعد اُردو کی ترقی کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے ورنہ اس موضوع پر ایک مبسوط مقالے کی ضرورت تھی، یہ رسالہ اس بارِ گراں کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا اِس لیے حتی الوسع اختصار سے کام لے کر صرف خاکہ پیش کر دیا گیا ہے اور وہ بھی ناتمام۔

☆☆☆

''علامہ اقبال اور بلوچستان'' میں یوں ذکرِ خیر آتا ہے۔[۳]

۲۹ اپریل ۱۹۶۸ء[۴] کو یوم اقبال منایا گیا۔ اس تقریب کے میر مجلس چودھری عطا محمد سابق ڈائریکٹر آف ایجوکیشن تھے۔ میر عبدالباقی نے تلاوت کلام پاک سے جلسے کی کارروائی کا آغاز کیا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض خود ڈاکٹر کوثر نے انجام دیے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے چودھری عطا محمد کا تعارف حاضرین سے کرایا۔ علامہ اقبال کے کلام سے گہرا لگاؤ رکھنے اور ادبی علمی اور سماجی بہبود کی سرگرمیوں کے باعث انہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔

سب سے پہلے کالج کے پرنسپل جناب محمد اکرم انصاری نے اپنا مقالہ پڑھا اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ بدقسمتی سے ہم نے علامہ اقبال کے فلسفے کو عملی طور پر اپنی زندگی کا جزو نہیں بنایا۔ انہوں نے کہا کہ اقبال کے فلسفے کا عملی درس صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اس کا دائرہ عالم اسلام تک وسیع ہے۔ جناب انصاری نے اقبال کی شاعری پر روشنی ڈالی اور کہا کہ حقیقی شاعری اخلاقیات، نظریات اور عملیات پر مشتمل ہوتی ہے اور یہ خواص اقبال کی شاعری میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شاعری کا مقصد بھی یہی ہونا چاہیے تاکہ ہم وقت کے تقاضوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس سے بڑھ کر اقبال نے یہ کام کیا کہ یونانی اور مسیحی نظریات اور زندگی کی نفی کی اور ہمیں حقیقی طور پر اسلامی نظریے سے روشناس کرایا۔ جناب انصاری

نے مزید کہا کہ اقبال نے قوم پرستی کی حوصلہ شکنی کی اور انسانیت اور بھائی چارے اور خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی۔

ان کے بعد مسٹر محمود الحسن نے ''علامہ اقبال اور مغربیت'' کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا۔ مقالے میں انہوں نے علامہ اقبال کے اس جہاد کا ذکر کیا جو انہوں نے مغربی تہذیب کے خلاف کیا تھا اور جس سے مسلمانوں کو خبردار رہنے کی تلقین کی تھی۔

ان کے بعد مسٹر محمد رفیق [۵] نے ''اقبال اور مثالی نوجوان'' کو موضوع بنایا۔ انہوں نے اقبال کے مردِ مومن کا یورپ کے فلاسفروں اور مفکروں کے ''مردِ کامل'' سے موازنہ کیا اور اقبال کے مثالی نوجوان کی برتری و بلندی ثابت کی۔

ان کے بعد ایم اے انگریزی کے طالب علم مسٹر صبغت منصور (۶) نے ''اقبال و فلسفہ حیات'' پر ایک مضمون پڑھا۔ اپنے مضمون میں انہوں نے اقبال کے اسلامی فلسفہ حیات اور اس کے عوامل اور ان کے تحت آنے والے سیاسی و معاشرتی مسائل کو واضح کیا۔

بعد ازاں پروفیسر ساقی الحسینی نے ایک نظم سنائی جس میں اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا گیا تھا۔ پھر پروفیسر صفدر حسین [۷] نے ''ہماری نوجوان نسل اور اقبال'' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ اس مقالہ میں انہوں نے اقبال کے حوالے سے خودی کو زندگی کی بنیادی شرط قرار دیا۔ ان کے بعد پروفیسر محمد مسعود احمد نے ''اسرارِ خودی'' کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا۔

اس کے بعد جناب چودھری عطا محمد نے صدارتی خطبہ میں کہا کہ آج اقبال کے مطالعے کی ضرورت بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اقبال کا کلام ہمارے لیے چراغ

راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اسے پڑھیں اور غور کرنے کے بعد اس پر عمل کریں تو مادیت کا بہتا ہوا منہ زور طوفان ہمیں کبھی بھی منزل سے دور نہیں رکھ سکتا۔

تقریب کے اختتام پر مضمون نگار طلبہ میں انعامات تقسیم کیے گئے۔ جن میں محمد رفیق، محمود الحسن، صبغت منصور [۸] اور مشتاق احمد بالترتیب اول، دوم، سوم اور چہارم درجے پر رہے۔

اس بزم اقبال کی کارگزاریوں میں پروفیسر ش ضحیٰ، پروفیسر انور رومان، پروفیسر خلیل صدیقی، جناب عبدالصمد درانی، مولانا عبدالکریم، چودھری عطا محمد، پروفیسر کرار حسین [۹]، سردار نقوی [۱۰]، ڈاکٹر اسلم قریشی [۱۱]، ڈاکٹر اکبر حسین قریشی [۱۲]، ظہیر الحق ساقی الحسینی [۱۳]، پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد [۱۴]، پرنسپل اکرم انصاری [۱۵] وغیرہ بھی حصہ لیتے رہے۔ متعدد طالبات اور طلبہ اس بزم کے سرگرم رکن رہے۔ جو آج کامیاب زندگی بسر کر رہے ہیں۔

حوالہ جات

[۱] ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں اردو، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ص: ۶۰۰ تا ۶۰۲

[۲] کالج میگزین چلتن، گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ، ۶۸۔۱۹۶۷ء ص ص: ۳۶ تا ۴۴۔ گورنمنٹ کالج، کوئٹہ میں ۱۹۶۳ء میں تین مضامین (اردو، انگریزی اور معاشیات) میں ایم اے کلاسوں کی ابتدا ہوگئی تھی۔ ۲۲/اگست ۱۹۶۶ء سے یہ کالج دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ انٹر کالج پہلی عمارت میں رہا اور ڈگری کالج سریاب روڈ پر نئی شاندار عمارت میں منتقل ہوگیا جو شہر سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد

صاحب ہردو کالج میں صدر شعبۂ اردو رہے۔

[۳] ڈاکٹر انعام الحق کوثر، علامہ اقبال اور بلوچستان، لاہور، بار دوم۔ ۱۹۹۸ء ص ص:۸۶تا۸۸، ۱۰۸، ۱۰۹۔

[۴] روزنامہ مشرق، کراچی، ۷ مئی ۱۹۶۸ء۔

[۵]۔ آپ آج کل ماہر مضمون، ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان، کوئٹہ ہیں۔

[۶]۔ ان دنوں گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور میں ہیں۔

[۷]۔ آپ گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں ہیں۔

[۸]۔ مولانا عبدالکریم (۶ جنوری ۱۹۰۶ء-۱۹۶۹ء) مولانا حافظ شیخ احمد کے فرزند ارجمند تھے۔ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے آرگن ''الاسلام'' کوئٹہ کے مدیر رہے۔ بعدازاں اپنا اخبار ''میزان'' کوئٹہ، جاری کیا جو اب روزنامہ ہے اور اس کا اپنا پریس ہے۔ آپ نے ۱۹۲۵ء سے بلوچستان میں تعلیمی (آپ یوسف عزیز مگسی کی قائم کردہ ''جامعہ یوسفیہ'' جھل مگسی کے ناظم رہے) دینی، علمی و ادبی اور سیاسی خدمات کا آغاز کیا۔ مولانا عبدالکریم نے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک حصول پاکستان کی تحریک میں بڑی سرگرمی، محنت اور مجاہدانہ تگ و تاز کے ساتھ حصہ لیا۔ بقول فضل احمد غازی: ''آپ بلوچستان میں تحریک پاکستان کے پہلے نقیب تھے۔'' آپ کو علامہ اقبال سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ تحریر و تقریر میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ علامہ اقبال کے اشعار کو برمحل بروئے کار لانے میں بڑے مشاق اور طاق تھے۔

[۹]۔ پروفیسر کرار حسین علم و ادب سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ آپ گورنمنٹ کالج (جو اب سائنس کالج ہے) کوئٹہ اور گورنمنٹ کالج، سریاب روڈ کوئٹہ کے پرنسپل رہے۔

بعدازاں بلوچستان یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔

[۱۰]۔ آج کل ڈی۔جے کالج کراچی میں ہیں۔

[۱۱]۔ مرحوم ڈاکٹر محمد اسلم قریشی کا قیام بلوچستان میں اکتوبر ۱۹۵۹ء سے اپریل ۱۹۶۳ء تک رہا۔ آپ نے اپنا مقالہ ''ڈرامائی نظریے اور تکنیک کی روشنی میں اردو ڈرامے کا جائزہ'' (برائے پی ایچ ڈی) کوئٹہ ہی میں قیام کے دوران پنجاب یونیورسٹی کو پیش کیا تھا۔ (۱۹۶۲ء) آپ نے یہاں کی علمی وادبی سرگرمیوں میں خاصہ حصہ لیا۔

[۱۲]۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی نے تلمیحات اقبال پر کام کیا ہے۔ آپ ان دنوں گورنمنٹ کالج راولپنڈی میں ہیں۔

[۱۳]۔ بڑی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ یہاں سے گورنمنٹ کالج سرگودھا تبدیل ہوکر گئے تھے۔ اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

[۱۴]۔ پروفیسر محمد مسعود احمد (جواب پی ایچ ڈی بھی کر چکے ہیں) چند سال تک کوئٹہ میں سکونت پذیر رہے۔ مستقل علمی وتحقیقی کام کر رہے ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف، مؤلف ہیں۔ آپ حضرت شاہ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی شاہی امام جامع مسجد فتح پوری، دہلی کے فرزند ارجمند اور دہلی کے مشہور عالم ومفتی اور بزرگ حضرت شاہ محمد مسعود کے پڑپوتے ہیں۔ آج کل آپ کراچی میں ہیں۔

[۱۵]۔ مرحوم انگریزی کے نامور پروفیسر..... سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کے چیئرمین اور ڈائریکٹر کالجز بھی رہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بارے میں ایک کتاب چھپ چکی ہے۔

.....☆☆☆.....

''بلوچستان میں تحریک تصوف'' بتاتی ہے:[۱۶]

مفتی شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی (۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۶ء---۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء) فرماتے ہیں۔ ''تصوف اصلاح خیال کا نام ہے'' (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا کراچی سے راقم الحروف کے نام خط۔ مورخہ ۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۴ء)

تصوف کا مفہوم ''MYSTICISM'' سے مختلف ہے۔ اور صوفی MYSTIC میں فرق ہے۔ اوّل الذکر کے سامنے ایک لائحہ عمل ہے، ایک کھلا راستہ ہے، ایک واضح شریعت ہے، ثانی الذکر گم کردہ راہ ہے مگر راہ کا متلاشی ہے۔ حقیقت تصوف سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے پروفیسر نکلسن اور پروفیسر میکڈانلڈ کو اس میں عیسائی رھبانیت اور یونانی باطنیت نظر آتی ہے۔ باوجودیکہ ان کو یہ تسلیم ہے کہ اس کا مبداء اولین قرآن پاک ہے۔ پروفیسر ماسینون (Massignon) نے تصوف کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

Derived from the Quran and the practice of the Prophet.

ڈاکٹر تاراچند ''تمدن ہند پر اسلامی اثرات'' (مترجمہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۴ء---مقدمہ از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد--- ص ۲۲۷) کو بھی یہ تسلیم ہے۔ مگر نہ معلوم کیوں موصوف نے تصوف کو بُدھ مت،

[۱۶] ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں تحریکِ تصوف، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ص: ۱۸، ۱۹

ہندو مت اور عیسائیت سے وابستہ کر دیا ہے۔ مترجم (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد) کے الفاظ میں ''اگر ناعاقبت اندیش صوفیا نے غیر اسلامی باتیں تصوف میں شامل کر لیں تو اس کو حقیقت تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس کی ذمہ داری خود ان پر ہے۔ خالص تصوف جو اسلامی تصوف ہے، اس کی نشو ونما قرآن و حدیث کی آغوش میں ہوئی ہے''۔

مسعود ملت پروفیسر محمد مسعود احمد کا
خطبۂ صدارت

۷/اکتوبر ۱۹۶۸ء

(مجلس قرأت گورنمنٹ پوسٹ ڈگری کالج کوئٹہ)

(پروفیسر صاحب موصوف کی دلاویز حُسنِ قرأت قارئین کے دل و دماغ پر انمٹ اور دیرپا نقوش چھوڑ جاتی تھی)

(۱)

اس دور میں جب کہ باطل کی طاقتیں نقش کہن مٹانے کے درپے ہیں قرآن عظیم میں دلچسپی لینا اور اس کی خدمت کرنا جہاد عظیم ہے، وہ قاری صاحبان اور منتظمین قابل مبارکباد ہیں جنہوں نے اس مجلس مبارکہ میں حصّہ لے کر قرآن کی خدمت کا حق ادا کیا، مولیٰ تعالیٰ اس لگن کو قائم رکھے۔

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

(۲)

قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود رب تبارک وتعالیٰ نے لی اور فرمایا:

''ہم نے ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے''

چنانچہ حفاظت کی اور کس شان کے ساتھ!

اس کتاب مبین کو سینۂ مصطفیٰ ﷺ میں ودیعت فرما کر ارشاد فرمایا:

''عنقریب ہم تم کو پڑھائیں گے پھر تم نہ بھولو گے''

پھر اس سینۂ پاک سے نکلی ہوئی آواز کیسے بھلائی جاسکتی تھی؟ --- نہ بھلائی گئی اور نہ بھلائی جاسکتی ہے۔

آں حضرت ﷺ نے اس عظیم امانت کو صحابۂ کرام کے سپرد کیا، انھوں نے اپنے سینوں سے لگا کر رکھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی بار کاتبین وحی سے حضور اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق ایک مجموعہ تیار کرایا پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی نسخے کی دس گیارہ نقلیں تیار کرا کر مفتوحہ ممالک میں بھیج دیں۔ اُس وقت تک آیاتِ قرآنی میں نہ نقطے تھے اور نہ اعراب، پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجاج بن یوسف نے یہ اہم کام انجام دیا۔

حضرت عثمان غنی نے جو نسخے تیار کرائے تھے ان میں سے دو گزشتہ صدی تک استنبول کے کتب خانے میں محفوظ تھے اور ایک نسخہ تو اب تک تاشقند کے کُتب خانے میں محفوظ ہے اس کے علاوہ ایران کے کتب خانۂ رضویہ میں حضرت علی، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لکھے ہوئے قرآن کریم کے بعض اجزاء موجود ہیں۔

ان شواہد کی موجودگی میں اُن مستشرقین کی کوششیں برابر رائیگاں جارہی ہیں جنہوں نے قرآن پاک میں تحریف ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی صدی میں ڈاکٹر منگانا نے لندن سے ایک گمراہ کن کتاب شائع کی تھی مولانا شبلی نعمانی اور علامہ اقبال مرحوم نے اس کا مسکت جواب لکھا تھا۔

(۳)

قرآن کریم کی حفاظت میں جن حضرات نے حصہ لیا ان میں ماہرین تجوید قرأت قابل ذکر ہیں، انھیں حضرات کی کوششوں سے چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود مکّے اور مدینے کی فضاؤں میں گونجنے والی آواز آج بھی ہم سن رہے ہیں۔

علمائے تجوید نے قرأت کے صحیح تلفظ کو برقرار رکھا جس سے قرآنی صورت کی وہ دل کشی و دل آویزی باقی رہی جس سے اپنے تو اپنے غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

علمائے تجوید قرأت کے علاوہ اِن حضرات کی کوششیں بھی قابل فراموش نہیں۔ حفّاظ نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھا، کاتبوں نے قلم بند کر کے مجلدات میں محفوظ کیا، محدثین، مفسرین اور ماہرین لغت نے قرآن کریم کے معنی و مفہوم کی پوری پوری حفاظت کی، اس کے بعد مترجمین قرآن نے دنیا کی تقریباً سو زبانوں میں اس کا ترجمہ پیش کر کے پیغام الٰہی کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا اور اس طرح عہد نبوی کے بعد دنیا کا ہر مفکر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

خدمت قرآنی کے سلسلے میں اولیائے کرام کی خدمات سرفہرست نظر آتی ہیں، قرآن کریم کے الفاظ و معانی کا مختلف طریقوں سے محفوظ رکھنا یقیناً ایک اہم کام تھا لیکن تعلیمات قرآنی کو اپنی روح میں پیوست کر کے نمونۂ عمل پیش کرنا نہایت ہی مشکل کام تھا اور یہی وہ عظیم ذمہ داری تھی جو حضور اکرم ﷺ نے اپنے رفقا اور متبعین کے سپرد کی تھی۔ یہ اہم فریضہ صوفیائے کرام نے پورا کیا۔ اس طرح قرآن کے الفاظ، قرآن کے معانی اور قرآن کی تعلیمات زندہ و جاوید ہو گئیں اور قرآن کریم کا یہ دعویٰ

حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا۔

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (النمل)

ہم نے اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

(۴)

آخر میں جناب ڈائریکٹر صاحب اور اراکین مجلس قرأت کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس مجلس مبارکہ میں شرکت کی دعوت دے کر معزز فرمایا۔ سامعین کرام کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے سنجیدگی سے میری گزارشات کو سماعت فرمایا۔

اور دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ہم کو اپنی اور اپنے حبیب مکرم ﷺ کی ایسی محبت عطا فرمائے جو ہمارے اقوال و اعمال میں جاری و ساری ہو جائے۔

وہ دانائے سُبُل، ختم الرّسل، مولائے کُل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طاہا

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

اور

پروفیسر ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر

کے مابین

خط و کتابت

گورنمنٹ کالج

ٹنڈو محمد خاں

(ضلع حیدر آباد سندھ)

۲۴/ اکتوبر ۱۹۷۰ء

۷۸۶

محترم المقام

وعلیکم السلام ورحمۃ ربکم المنعام

نوازش نامہ نظر نواز ہوا۔ کرم فرمائی کا ممنون ہوں۔ آپ کی یاد رونق دل و جاں ہے اس یاد پہ نہ معلوم اور کتنی یادیں تازہ ہوگئیں اور ایک بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بایں محبت و اخلاص سلامت رکھے! آمین۔

(اللہ پر پورا پورا بھروسہ)

احقر یہاں خوش ہے اور ہر جگہ خوش رہتا ہے کہ ہر جگہ ہی رب العالمین کی ربوبیّتِ کاملہ کے جلوے نظر آتے ہیں۔ پھر بیگانگی کیوں محسوس کی جائے۔

کراچی جاؤں گا تو تبصرے کے متعلق دریافت کروں گا اگر چھپ گیا تو ضرور ایک کاپی ارسال کروں گا۔

آپ کو جو انعام ملا ہے ایک عزیز کی زبانی اس کے لیے مبارک باد پیش کر چکا

ہوں۔ پھر پیش کرتا ہوں۔ کوئٹہ کے زمانۂ قیام میں دعوت کا حکم ہو رہا تھا، دوستوں نے کہا کہ مجھے یاد کیا گیا میں نے عرض کیا کہ بس یہی چاہتا ہوں۔ شرکت ظاہری سے یہ باطنی رفاقت ہزار درجہ بہتر ہے اس لیے کیوں آرزومند کروں کہ مجھے بھی بلایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی علم و دانش سے دوسروں کو مستفیض فرمائے! آمین۔ محترم رومان صاحب اور احباب کو سلام کہہ دیں۔

احقر محمد مسعود احمد

☆☆☆

گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خاں (ضلع حیدرآباد سندھ)

۲۸ر نومبر ۱۹۷۰ء

۷۸۶

برادر گرامی دام عنایتکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ نوازش نامہ باعث صد مسرت وانبساط ہوا۔ کرم فرمائی کا تہہِ دل سے ممنون ہوں۔ آپ نے احقر کے عریضے کو حسن طلب، پر محمول فرمایا، اس سلسلے میں احقر کا مسلک تو یہ ہے:

(شانِ استغنا)

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے

اصل چیز قلبی تعلق ہے۔ دعوت اس کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ مگر جب محبت و تعلق شک و شبہ سے بالاتر ہو تو پھر اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارا تعلق اسی نوعیت کا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور مستحکم فرمائے۔ آمین۔

عید سعید پر ہدیۂ تہنیت قبول فرمائیں مولیٰ تعالیٰ رمضان المبارک اور اس یوم سعید کی برکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔ آمین۔ محترم رومان صاحب کو سلام کہہ دیں اور تحفۂ تبریک پیش کر دیں۔ دیگر احباب کو بھی بشرطِ یاد سلام کہہ دیں۔

یادگرامی سے نوازتے رہیں۔ فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد

☆☆☆

گورنمنٹ کالج

ٹنڈو محمد خاں

(ضلع حیدرآباد سندھ)

۲۴ر فروری ۱۹۷۱ء

۷۸۶

محترم المقام

سلام مسنون۔

اس سے قبل ایک پوسٹ کارڈ ارسال کیا تھا امید ہے کہ ملا ہوگا۔ نوازش نامہ محررہ ۱۷ر فروری موصول ہو گیا عنایت و کرم کا ممنوں ہوں۔ حسب ارشاد مُرسلہ فارم پُر

کر کے ارسال کر رہا ہوں۔ آپ جو مخلصانہ سعی فرما رہے ہیں اس کی جزا مولیٰ تعالیٰ عطا فرمائے۔ آمین۔

محترم رومان صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیں اور یہ دریافت کر لیں کہ اس احقر کا جو شخصی ریکارڈ کالج کے دفتر میں تھا وہ حیدر آباد ڈائریکٹریٹ بھیج دیا گیا ہے یا ابھی وہیں ہے۔ اصولاً تو اس ریکارڈ کو یہاں ہونا چاہیے۔

(خوشگوار یادوں کی اہمیت)

کوئٹہ کا قیام خوشگوار و دل نواز تھا۔ اس کی یاد اکثر آتی ہے یادوں کے سہارے ہم پستیوں کے رہنے والے بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں اور خیال ہی خیال میں لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ خیال عجیب دولت ہے، خیال بڑی قوت ہے اس لیے ہمارے حضرت علیہ الرحمہ نے ایک مکتوب میں تو یہ فرمایا تھا ''تصوف اصلاحِ خیال کا نام ہے''۔ مختصر سے جملے میں دریائے معانی پنہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے خیال و نظر کو وقفِ اخلاص و محبت کر دے۔ آمین

زیادہ کیا عرض کروں۔ رفقاء کو سلام کہہ دیں۔ سب کی یادیں رونقِ قلب حزیں ہیں۔

والسلام۔

احقر محمد مسعود احمد

☆☆☆

۴۴/۲۔این

پی-ای-سی-ایچ سوسائٹی

کراچی-۲۹

یکم جولائی ۱۹۷۱ء

محترم المقام

سلام مسنون۔

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔ کافی عرصہ ہوا ایک عریضہ ارسال کیا تھا مگر جواب سے محروم رہا۔ تشویش و فکر ہے۔ خیریت سے مطلع کریں تا کہ سکونِ قلب میسر آئے۔

رسالہ اردو میں آپ کی کتاب پر اس احقر کا تبصرہ [۱۷] شائع ہو گیا ہے۔ اس میں بالعموم قومی زبان میں تبصرے شائع ہوتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو کی طرف سے گورنمنٹ کالج کوئٹہ کے پتے پر آپ کو ایک رسالہ اور کچھ تراشے بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ بھیجے تھے جو کراچی واپس آ گئے۔ حالاں کہ دفتر والے مستونگ بھیج سکتے تھے۔ بہر کیف تراشے میرے پاس ہیں جواب ملنے پر ارسال کر دئے جائیں گے۔

موسم گرما کی تعطیلات میں ایک ماہ کراچی میں قیام رہے گا۔ اسی پتے پر مراسلت فرمائیں۔ برادرِ محترم کو سلام کہہ دیں۔ دوسرے رفقاء کو بھی سلام کہہ دیں۔

والسلام

احقر محمد مسعود احمد

---

[۱۷] تبصرہ مل گیا تھا۔ بعد میں میرا تبادلہ ہوتا رہا۔ اب وہ تبصرہ ملا نہیں۔ کراچی میں انجمن ترقی اردو والوں سے رابطہ کیا۔ وہاں سے بھی نہیں ملا۔

☆☆☆

۲/۴۴-این
پی-ای-سی-ایچ سوسائٹی
کراچی نمبر ۲۹
۳/اگست ۱۹۷۱ء

۷۸۶

برادر محترم
سلام مسنون۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ نوازش نامہ محررہ ۲۳/جولائی موصول ہوکر باعث مسرت ہوا۔ ان شاء اللہ انجمن ترقی اردو کے دفتر گیا تو مطلوبہ شمارہ ارسال کردیا جاے۔ آپ خود بھی ان کو خط تحریر فرمادیں تو مناسب ہے۔

الزبیر کا شمارہ آپ کو مل گیا۔ اطمینان ہوا۔ یہ معلوم ہوکر مسرت پر مسرت ہوئی کہ آپ علمی تحقیقات میں مصروف ہیں اور فارسی مخطوطوت ومطبوعات پر مواد فراہم کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو زیادہ سے زیادہ بارآور فرمائے۔ آمین۔

مولانا عبد الباقی صاحب نہایت غیّور وخوددار انسان ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں دو ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے کوئٹہ شہر سے شابورہ کی ایک مسجد میں جاپڑے تھے۔ اللہ

تعالیٰ نے اس حقیر کو وہاں پہنچایا اور پھر مولانا نے ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک مسلسل چار سال احقر کی تالیفات کی کتابت کی۔ احقر نے مولانا سے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خود دار بندوں کو یوں رزق پہنچایا کرتے ہیں۔ احقر کو ان سے دلی محبت ہے۔ ان کے ساتھ جو سلوک کریں گے یہ احقر سمجھے گا کہ آپ نے اس احقر کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ ان کے خطوط حاجی غیبی خاں، فروٹ کمیشن ایجنٹ، فروٹ مارکیٹ دوکان نمبر ۹ کے پتے پر جایا کرتے تھے۔ ایک عرصہ سے ان کا جواب نہیں آیا۔ اگر تکلیف نہ ہو تو فون نمبر ۲۶۳۲ پر حاجی صاحب مذکور سے رابطہ قائم کر کے مولانا کے بارے میں دریافت فرمائیں اور پھر احقر کو مطلع کر دیں۔

امید ہے کہ محترم پروفیسر انور رومان صاحب بخیریت ہوں گے ان کو بہت بہت سلام کہہ دیں۔

کالج کے قدیم رفیقوں سے ملنا ہو تو احقر کا سلام کہہ دیں۔

اس مرتبہ کوئٹہ آنے کو ارادہ تھا مگر یہاں صدر ممتحن بنا دیا گیا اس لیے غیر علمی ذمہ داریوں سے مجبور ہو گیا ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ سال حاضر ہوں گا۔

اہل خانہ کو سلام کہہ دیں۔ فقط والسلام۔

احقر محمد مسعود احمد

☆☆☆

☆☆☆

پرنسپل
گورنمنٹ کالج مٹھی (ضلع تھرپارکر، سندھ)
۳۰/اپریل ۱۹۷۰ء

۷۸۶

اخی المکرّم زید لطفکم

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ محررہ ۸/اپریل کراچی سے ہوتا ہوا کل مورخہ ۲۹/اپریل کو نظر نواز ہوا۔ بے اندازہ حسرت ہوئی جس کا اظہار زبان وقلم سے ممکن نہیں، کرم فرمائی اور یاد آوری کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔

ع کرم کردی الٰہی زندہ باشی!

آپ کے متعلق حتمی طور سے علم نہ تھا اس لیے یہ احقر بھی عریضہ ارسال نہ کرسکا لیکن دل برابر لگا رہا۔ الحمدللہ کہ آپ ابتلاء[۱۸] کے دور سے بخیریت وعافیت گزر گئے اور قبلہ بھائی صاحب کو بھی سکون واطمینان نصیب ہوا۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا

بھائی صاحب کی خدمت میں میرا سلام پیش کردیں۔

یہ معلوم ہوکر نہایت خوشی ہوئی کہ آپ نے تذکرۂ صوفیائے بلوچستان[۱۹] مکمل

---

[۱۸] باری تعالیٰ نے حالات کا رُخ بدل دیا۔

[۱۹] یہ تذکرہ ۱۹۷۶ء میں مرکزی اُردو بورڈ نے شائع کیا۔ دوسرے ایڈیشن میں اضافے کیے گئے تھے۔ بعد میں دو ایڈیشن مزید شائع ہوئے ہیں۔

کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی جلد سبیل پیدا فرمادے۔ حضرت مولانا بلال صاحب اور حضرت سالم صاحب کے حالات تو ضرور شامل کیے ہوں گے۔

یہ احقر پھر پرنسپل بنادیا گیا، احباب نے کہا کہ خدا کی نعمت کو بار بار ٹھکرانا اچھا نہیں، پھر استخارہ بھی کیا تو اس کے حق میں اشارہ پایا اس لیے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ جادۂ شریعت پر مستقیم رکھے آمین! یہ سن کر شاید آپ کو تعجب ہے کہ ۹۰ فی صد ہندو ہیں اور دس فی صد مسلمان اور وہ بھی مفلس و نادار۔ کالج میں ان کی تعداد ۱۰ فی صد ہے کالج اسی سال شروع ہوا ہے۔ یہ شہر ریگستان تھر میں سرحد ہندوستان سے ۶۰ میل کے قریب واقع ہے۔ کوئٹہ سے آنے کے بعد علمی مشاغل جاری رہے۔ سیرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ مکمل کی جو ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ حال ہی میں مبیضہ پبلشر کو دے دیا ہے۔ اس کے بعد اپنے جد امجد حضرت مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ مسعودی کی تدوین کا کام شروع کیا اصل نسخہ جو تھا اس کی نقل گزشتہ دو سال میں مکمل کی۔ اب تدوین و تبویب کا کام جاری ہے۔ اس عرصے میں بہت سے مضامین اور مقالات بھی لکھے جن کی تعداد بیس کے لگ بھگ ہوگی۔ ایک اور کام کیا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا مطالعہ نہیں کیا تھا، مشہور یہی تھا کہ معمولی عالم اور بدعتی تھے لیکن جب ان کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ متبعِ شریعت اور متبحر عالم تھے۔ ایسے عالم کہ معاصرین میں ان کا ثانی ملنا مشکل ہے چنانچہ ان پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس کے دو ایڈیشن لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک نسخہ ہے اگر فرمائیں تو ارسال کردوں گا۔ انگلستان میں اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ انھیں پر ایک مقالہ ۱۹۷۱ء میں لکھا تھا جس کے تین ایڈیشن لاہور سے شائع ہو چکے

ہیں۔اس کی کوئی کاپی نہیں۔دونوں کے عنوانات بالترتیب یہ ہیں:

(۱) فاضل بریلوی اور ترک موالات

(۲) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں

حال ہی میں حضرت والد محترم کے حالات پر ایک کتابچہ حیات مظہری کے نام سے شائع کیا ہے انشاءاللہ یہ بھی بھیجوں گا۔

آپ کی یاد نے نہایت درجہ مسرت بخشی۔امید ہے کہ یاد فرماتے رہیں گے۔ دیگر دوستوں کے متعلق بھی کچھ لکھیں۔ بھائی صاحب کو سلام کہہ دیں۔محترم کرار صاحب سے ملاقات ہو تو سلام کہہ دیں۔گھر میں سب کو سلام و دعا۔

فقط والسلام۔

احقر محمد مسعود احمد عُفی عَنہ

☆☆☆

گورنمنٹ کالج، مٹھی (ضلع تھرپارکر، سندھ)

۱۰/جون ۱۹۷۵ء

۷۸۶

مکرمی زید لطفکم

سلام مسنون۔

نوازش نامہ مورخہ ۶/مئی نظر نواز ہوا۔ بڑی مسرت ہوئی۔احقر باہر گیا

ہوا تھا اس لیے جواب میں تاخیر ہوگئی۔ معذرت خواہ ہوں۔ کراچی سے کچھ کتابیں ہدیۃً ارسال کی تھیں اور کچھ بذریعہ وی پی بھجوائی تھیں، امید ہے کہ یہ کتابیں مل گئی ہوں گی۔ مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔ آپ کی تازہ تالیف کا انتظار ہے۔ ماشاء اللہ آپ بھی اشہب قلم کے سوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت سالم صاحب مدظلہ کوئٹہ میں رہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل پتے (پر) خود جا کر مل لیں۔ حضرت بلال صاحب بھی یہیں رہتے ہیں:

شارع ابوالخیر ۳۰-منزل خیر کوئٹہ

پروفیسر ظہیر الحق صاحب کے انتقال سے سخت صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قافلہ رواں دواں ہے، آج وہ کل ہماری باری ہے۔ اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے آمین!

زیادہ کیا عرض کروں، برادر محترم کو سلام کہہ دیں۔ اہل خانہ کو سلام و دعا۔ بچے کراچی میں ہیں ان کی طرف سے سلام قبول کریں۔ فقط والسلام۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

☆☆☆

گورنمنٹ سائنس کالج

سکرند (ضلع نواب شاہ، سندھ)

۱۵ر دسمبر ۱۹۷۸ء

باسمہ تعالیٰ

محبی و مکرمی زید لطفکم

سلام مسنون۔ نوازش نامہ باعث صد مسرت و انبساط ہوا۔ مگر اپنی محرومی پر سخت افسوس ہوا۔ ان ایام میں کراچی ہوتا تو ضرور حاضر ہوتا۔ یہاں سے کراچی کی تقریباً چھ گھنٹہ کی مسافت ہے۔ آپ کا کراچی کا پتہ معلوم ہوتا تو آپ کو دعوت دیتا کہ غریب خانے کو رونق بخشیں۔ بہر کیف دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی انشاء اللہ کبھی خود کوئٹہ حاضر ہو کر یہ حسرت پوری کی جائیگی۔

اپنے علمی مشاغل سے ضرور مطلع کرتے رہا کریں۔ حال ہی میں ایک مختصر انگریزی مقالہ شائع ہوا ہے تبصرہ فرمائیں تو پبلشر کو لکھ کر ارسال کر دیں۔ پہلے رسائل پہ بھی تبصرہ موصول نہ ہوا۔ تبصرے میں رعایت کی ضرورت نہیں جو چاہے لکھیں۔ آپ مختار ہیں۔

برادر محترم جناب رومان صاحب کو بہت بہت سلام کہہ دیں۔ اہل خانہ کو سلام و دعا۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

نوٹ:

جنوری ۱۹۷۸ء میں مٹھی سے سکرند آ گیا ہوں۔

☆☆☆

مکرمی زید عنایتکم

۱۲/اکتوبر ۲۰۰۲ء

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے۔ یہ خط یاد دہانی کے لیے لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ مقالہ شروع کر دیا ہوگا۔ عنوان ہے

بلوچستان کے صوفیائے نقشبندیہ مجددیہ

جواب گرامی سے ضرور سرفراز فرمائیں تا کہ فقیر مقالہ کے لیے منتظر رہے

دعاؤں میں یاد رکھیں۔ بھائی صاحب اور سب اہل خانہ کو سلام کہہ دیں۔

مقالہ نگار کا مختصر خاکہ بھی شامل اشاعت کیا جائے گا۔ یہ خاکہ بھی ساتھ ہی ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

☆☆☆

۸/نومبر ۲۰۰۲ء

مکرمی زید عنایتکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

نوازش نامہ اور مقالہ [۲۰] موصول ہوکر باعث صد مسرت ہوئے۔ نوازش وکرم کا ممنون ہوں۔ آپ نے حضرت [۲۱] بلال مجدّدی، حضرت سالم مجدّدی، حضرت عبداللہ جان آغا مجدّدی، حضرت محمد ہاشم جان مجدّدی کا ذکر نہیں فرمایا۔ حضرت سالم کے صاحب زادے کو خط لکھ رہا ہوں۔ ان سے لکھوا کر یہ حالات شامل کردئے جائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

بلوچستان میں جو مشائخ مجددیہ [۲۲] اب موجود ہیں ان کا ذکر بھی ضروری ہے۔

دعاؤں میں یاد رکھیں۔ گھر میں سب کو سلام ودعا کہہ دیں۔

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

---

[۲۰]۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان کے صوفیائے نقشبندیہ مجددیہ، جہانِ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی زیر سرپرستی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء، اقلیم ششم ص ص ۵۹۱ تا ۶۳۴۔

[۲۱]۔ ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری، ضمیمہ بلوچستان کے صوفیائے نقشبندیہ مجددیہ، ایضاً ص ص ۶۳۵ تا ۶۴۱۔

[۲۲]۔ ڈاکٹر سلطان الطاف علی، بلوچستان میں نقشبندی خانقاہیں، ایضاً اقلیم دہم، کراچی، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء ص ص ۳۶۵ تا ۳۷۵۔

☆☆☆

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

مکرمی زید عنایتکم

سلام مسنون۔ ابھی ابھی منی آرڈر مبلغ پانچ ہزار روپے موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔ فقیر نے مستحقین زکوٰۃ کے لیے منی آرڈر فارم تیار کرایا تھا عین وقت پر ملا جزاک اللہ تعالیٰ۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو کا علی گڑھ سے دعوت نامہ ملا۔ ان کو

سرسید لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ

ملا ہے۔ مبارک ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ اب ان چیزوں کی طرف طبیعت نہیں جاتی فقیر کے میڈل پڑے ہوئے ہیں۔ ذرہ برابر دل پر اثر نہیں، شکر ہے دنیا سے دل ہٹ گیا۔ آخرت کی لو لگ گئی، گو اعمال ایسے نہیں، ساری امید اس کے کرم سے ہے۔ مولیٰ تعالیٰ آخرت میں سرخرو فرمائے۔ آمین۔

الحمد للہ جہان امام ربانی کی بارہ جلدوں کے بعد باقیات جہاں امام ربانی کی ۳ جلدیں مرتب ہو رہی ہیں۔ ان شاء اللہ ۲۰۰۸ء تک چھپ جائیں گی۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔ علامہ شرف صاحب کے وصال کا سخت صدمہ ہوا مولیٰ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ عطا فرمائے۔ آمین سب اہل خانہ کو ہمارا سلام کہہ دیں۔ آپ یاد آتے ہیں۔

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

چند اہم کتابچے اور کتب

۱۔ پروفسور دکتر محمد مسعود احمد، ارمغانِ رضا: محمد احمد رضا خاں افغانی، المختار پبلی کیشنز، رضا چوک، (ریگل)، صدر کراچی، ۱۴۱۵ء/۱۹۹۴ء

دیباچہ: 'سلطان لاتنھر' پروفسور دکتر محمد انعام الحق کوثر ص ص ۶ تا ۱۰۔

۲۔ پروفسور دکتر محمد مسعود احمد، عید اعیاد، مترجمین: پرفسور دکتر انعام الحق کوثر، پرفسور نجم الرشید مظہری پبلی کیشنز، اے۔۶۔۲۶ پی آئی بی کالونی کراچی، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر، تعلیمی مثلثیں، بار اول، ۱۹۹۳ء، باردوم، ۱۹۹۴ء سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) مکتبۂ شال، ۲۷۲۔اے۔او۔ بلاک ۳ سیٹلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ، بارِدوم ص ۱۰۵ میں درج ہے:

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ۲/ ۱۷۔سی،، پی۔ای۔سی۔ایچ سوسائٹی، کراچی کے خیال میں ''تعلیمی مثلثیں''، معلم و متعلم اور ملت سے الفت کی مظہر ہے۔

(۳۱ جنوری ۱۹۹۴ء)

۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، انتخاب حدائقِ بخشش، (حضرت رضا بریلوی) سرہند پبلی کیشنز کراچی، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء ایک باب حضرت رضا بریلوی، دانشوروں کی نظر میں، اس میں پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر (پاکستان کے مشہور و معروف محقق اور

ماہر تعلیم، کوئٹہ۔ بلوچستان) کی رائے ص ص ۵۰، ۵۱ بھی شائع کی گئی ہے۔

۵۔ میاں محمد صادق قصوری، مکاتیبِ امیرِ ملت (پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری) ۱۹۹۲ء میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے ارشاد گرامی پر اس کا مقدمہ مجھ ناچیز (انعام الحق کوثر) سے لکھوایا گیا تھا۔ کتاب کئی سال بعد شائع ہوئی۔

۶۔ اے بک آف صلوٰۃ: درود شریف۔

مطبوعہ سیرت اکیڈمی بلوچستان (رجسٹرڈ) ۲۷۲، اے۔ او بلاک ۳ سیٹلائٹ ٹاؤن کوئٹہ (پاکستان)

یہ دو بار عربی اور انگریزی میں شائع ہوا۔ مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اسے بہت پسند فرمایا۔ اور اسکی سینکڑوں کاپیاں ان اسلامی ممالک کو بھجوائیں جہاں ضرورت تھی۔

۷۔ چہل حدیث صلوٰۃ وسلام۔ سیرت اکیڈمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ متعدد بار شائع ہوئی اور راہِ مولا تقسیم ہوئی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب نے اسے بھی پسند فرما کر تقسیم کرائی۔

۸۔ اسی طرح درود پاک ''اللھم صلی علیٰ محمد'' (جیبی سائز) کئی سال سے سیرت اکیڈمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ شائع کرا کر اللہ کے نام پر تقسیم کر رہی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب نے بھی اسے احسن قرار دیا۔

۹۔ ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر، ''سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک بلوچستان میں'' مطبوعہ سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ، اگست ۱۹۹۷ء بمناسبت پاکستان گولڈن جوبلی ۱۹۹۷ء ص ۴۱۳ میں درج ہے: بیسویں حق باہو کانفرنس کا انعقاد

زیر اہتمام بزم باہو بلوچستان بمعاونت دیگر انجمن ہا ۲۹ جولائی ۱۹۹۵ء کو سائنس کالج آڈیٹوریل کوئٹہ میں ہوا۔

دوسری نشست میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے خطاب کیا۔ خطاب پیش خدمت ہے:

حضرت سلطان باہو: حالات وملفوظات

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

اللہ تعالیٰ نے محبوبیت کو اتباع رسول ﷺ کے ساتھ مشروط فرمایا ہے

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ [۲۳]

اس لیے اقبالؔ نے کہا ہے۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اتباع رسول علیہ التحیۃ والتسلیم سے جنہوں نے مقامِ محبوبیت حاصل کیا ان کے لیے ربُّ العالمین فرما رہا ہے

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ [۲۴]

ہم کو انھیں کی صحبت میں بیٹھنے اور انھیں کی رفاقت میں رہنے کی یوں ہدایت کی جارہی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ [۲۵]

انھیں کے نشان قدم پر چلنے کی تلقین کی جارہی ہے اور بار بار یوں دعا کرائی جارہی ہے

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ [۲۶]

انھیں کی راہوں کو اپنی راہ قرار دیا جا رہا ہے۔

وَاِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ [۲۷]

صاحب عرس حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ، اللہ کے انھیں محبوب بندوں میں تھے جن کے نشان قدم کو صراط مستقیم کہا گیا۔ جن کے دامن سے وابستہ رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت سلطان العارفین اپنے وقت کے جلیل القدر عارف تھے۔ شاہجہانی میں قصبہ شورکوٹ (ضلع جھنگ پنجاب) میں ۱۰۳۹ھ/ ۱۶۲۹ء میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے الہامی طور پر آپ کا نام ''باہو'' یعنی 'باخدا' رکھا۔ [۲۸] سبحان اللہ جس کو ولادت کے وقت ہی سے محبت حق حاصل ہو اور جس کا ذکر، ذاکر کو اللہ سے ملا دے اس کی شان کیا بیان کی جائے خود فرماتے ہیں:

باہو، با یک نقطہ 'باہو' می شود

ورد باہو روز و شب باہو بود [۲۹]

اسم باہو کے بے شمار اسرار و معارف ہیں۔ جب عارف فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو اس کے نام میں بھی اسم ذات کی تاثیر پیدا ہونے لگتی ہے اسی لیے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اِسْمِیْ کَالْاِسْمِ الْاَعْظَمَ [۸]

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ اُمی تھے، خود فرماتے ہیں ع

من و محمد عربی ہر دو امی بودہ ایم [۳۰]

وہ تلمیذ رحمٰن تھے، اُن کے کلمات طیبات اور ملفوظات اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ ساری زندگی بے نیازانہ گزاری، آپ کے والد ماجد حضرت بازید محمد علیہ الرحمۃ شاہِ

دہلی شاہجہاں [۳۱] بادشاہ کے منصب دار تھے، بادشاہ نے ایک قصبہ قہر گاؤں اور بہت سی زمینیں عطا کی تھیں مگر حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ اس عطاے شاہی سے بے نیاز رہے دو مرتبہ اپنی زمین پر کھیتی باڑی کی، جب فصل پک جاتی تو آپ چلے جاتے، لوگ فصل کاٹ کاٹ کر لے جاتے تو پھر آپ تشریف لے آتے اپنے مال کو اللہ کا مال سمجھنا اور مخلوق کو اللہ کی عیال سمجھ کر اپنے مال کو ان کے سپرد کر دینا بڑی ہمت اور اولوالعزلی کی بات ہے۔ اس کو توکل کہتے ہیں ہیں، جس کو اہل عقل دیوانگی وجنوں کہتے ہیں۔

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ مرشدِ کامل کی تلاش میں برسوں پھرتے رہے، مگر آپ کی ہمتِ بلند کو کوئی مرشد نہ ملا تا آں کہ خواب میں حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا خُذْ یَدِیْ یَا وَلَدِیْ [۳۲] آپ نے دست مبارک کو بوسہ دیا اور بیعت سے سرفراز ہوئے خود فرماتے ہیں:۔

دست بیعت کرد مارا مصطفٰے
فرزند خود خواندہ ست مارا مجتبٰی

[۳۳]

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے کبھی طریقت کو شریعت سے جدا نہ جانا، جو کچھ پایا اتباع شریعت سے پایا، خود فرمارہے ہیں۔

ہر مراتب از شریعت یافتم
پیشوائے خود شریعت ساختم

[۳۴]

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ نے ہمیشہ خود کو چھپا کے رکھا، کبھی ظاہر نہ کیا، خود فرماتے ہیں۔

گُم قبر، گم نام، بے نام و نشاں
حبّہ را باخود بُرم لامکاں

[۳۵]

اور دوسرے عرفا کو نصیحت فرماتے ہیں ع

ناتوانی خوش را از خلق پوش!

(ص ۱۸۶)

آپ کی نہ خانقاہ تھی، نہ سجادہ، نہ لنگر
گلی گلی، کوچے کوچے، گھر گھر

تشریف لے جاتے اور فیض پہنچاتے۔

نفسِ ما رسوا کنم من ازگدا
بر ہر درے قدے زنم ہراز خدا

[۳۶]

جن کا کوئی مرشد نہیں اس کے آپ مرشد ہیں، جن کا کوئی پیر نہیں، ان کے آپ پیر ہیں، خود فرما رہے ہیں۔

بے مرشداں را مرشدم من از خدا
بے پیراں را پیرم من از مصطفٰے

[۳۷]

آپ کی نظر کی یہ کرامت تھی کہ جس کافر پر پڑ گئی، مسلمان ہو گیا ع

نیم نظرم بہتر از صد آفتاب

[۳۸]

یہ آفتاب طریقت و ماہتاب شریعت عہد عالمگیری میں یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ/ ۱۶۹۱ء [۳۹] میں غروب ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سالہا در کعبۂ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

آپ کا جسم اطہر قلعہ قہر گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا پھر ایک عرصہ معدوم رہا، آپ نے خود فرمایا تھا ع

حُبّہٗ را، باخود بُرم لامکاں

مزار مبارک عرصۂ دراز کے بعد ظاہر ہوا۔

دریائے چناب کے چڑھ جانے کی وجہ سے منتقل کیا گیا پھر دوبارہ منتقل کیا گیا۔

مزار مبارک کی موجودہ عمارت ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء میں تعمیر ہوئی۔ [۴۰] صاحبِ مناقب سلطانی نے لکھا ہے ۱۹۱۲ء میں سہ کرر تعمیر ہوا۔ [۴۱]

حضرت سلطان باہو، آپ کی اولاد، امجاد اور خلفاے کبار کے تفصیلی حالات مناقب سلطانی میں بیان کیے گئے ہیں۔ [۴۲] یہ کتاب دوبارہ لاہور سے شائع ہوگئی ہے اور ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مصنف سلطان حامد علیہ الرحمۃ حضرت سلطان باہو کی اولاد میں پانچویں پشت کے ایک بزرگ ہیں۔ تفصیلی حالات کے لیے مناقبِ سلطانی سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ کی تصانیف ڈیڑھ سو بتائی جاتی ہیں۔ جو سب کی سب فارسی میں ہیں، سوائے مجموعۂ ابیات کے جو پنجابی میں ہے۔ آپ کی تصانیف باکمال ولازوال ہیں۔

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ باکمال تصنیف کی ایک نشانی تحریر فرماتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

کسی ولی اللہ کی تصنیف بے تکلیف کے مطالعہ کا اثر وجود میں اس قدر ہوتا ہے کہ انسان روشن ضمیر ہو جاتا ہے اور از خود خدا رسیدہ ہو جاتا ہے لیکن ناقص تصنیف کے مطالعہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔[۴۳]

اس میں شک نہیں آپ کی ساری تصانیف باکمال ہیں، ان کے مطالعے سے دل پر اثر ہوتا ہے ہر ہر لفظ دل کو کھینچتا ہے۔ آپ کی تصانیف کا موضوع تصوف ہے مگر آپ نے تصوف کی قدیم مصطلحات کو استعمال نہیں کیا جو کچھ کہا خود سن کر اور دیکھ کر کہا، خود فرماتے ہیں:

فقیر جانِ جہاں ہوتا ہے اور تمام عالم کی حقیقت کو غیب الغیب سے ظاہر کر سکتا ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔[۴۴]

آپ کی تمام تصانیف میں پردے اٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں مثلاً رسالہ روحی، شمس العارفین، اورنگ شاہی، عقل بیدار، عین الفقر، قرب دیدار، فضل البقاء، امیر الکونین، اسرار قادری، مفتاح العارفین، حُبّ الابرار وغیرہ ان میں سے بہت سی کتابیں پروگریسو بکس، لاہور نے ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۴ء کے درمیان شائع کر دی ہیں۔ یہ سب اردو ترجمہ ہیں مگر اس میں اصل کا عکس جمیل نظر آتا ہے۔

حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ کی تصانیف میں یہ کتابیں بھی بتائیں جاتی ہیں۔ کلید التوحید، مجالسۃ النبی، توفیق الھدایۃ، تیغ برھنہ، مجموع الفضل، محک الفقراء، حجۃ الاسرار وغیرہ۔

یہاں عقل بیدار اور حُبّ الاسرار سے چند ملفوظات پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ یہ کسی ان پڑھ کا کلام نہیں بلکہ ایک باخبر انسان کامل کے کلمات ہیں جس کے ایک ایک لفظ میں ایک جہاں سمٹا ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

(۱) اول عنایت ہوتی ہے پھر ہدایت [۴۵]

(۲) فقیر کی پہلی نشانی یہ ہے کہ اس کا سینہ صاف ہو۔ [۴۶]

(۳) کامل فقیر کی ایک نظر تمام عمر کی عبادت سے بہتر ہے۔ [۴۷]

(۴) خاص کی صحبت بھی معراج ہے۔ [۴۸]

(۵) جو شخص علم کے ذریعہ نفسانی لذت حاصل کرتا ہے وہ بمنزلہ سانپ ہے، اور جو علم کو قلب و روح کو سنوارنے کے لیے حاصل کرے وہ عالمِ باعمل، ہشیار اور لائقِ دیدار ہے۔ [۴۹]

(۶) علم ایک راہ ہے اور مرشد ہمراہی ہے۔ جس شخص کے ساتھ ہمراہی نہیں گمراہ ہے اور جسے راہ حاصل ہے وہ بادشاہ ہے۔ [۵۰]

(۷) سنو! بعض کو عقل ایک دوسرے سے بطور بھیک مانگنے کے حاصل ہوتی ہے، لیکن اولیاء اللہ کو علم باعقل اللہ تعالیٰ سے عنایت ہوتی ہے۔ [۵۱]

(۸) عاقل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بے عقل، طمعِ نفس اور حرص و ہوا کی طرف مائل ہوتا ہے۔ [۵۲]

(۹) جو فقیر دنیا کو دوست رکھتا ہے وہ دشمن الٰہی ہوتا ہے [۵۳]

(۱۰) 'یقین' ایمانی نور ہے جسے عطائے ازلی کہتے ہیں۔[۵۴]

(۱۱) علما، علم کی مستی سے ہستی میں آتے ہیں، فقرا شوق کی مستی سے ہستی سے نکل جاتے ہیں۔[۵۵]

(۱۲) کامل مرشد کی علامت یہ ہے کہ وہ لَا یُحْتَاج ہوتا ہے نہ کہ محتاج۔[۵۶]

(۱۳) جب فقیر کامل ہو جاتا ہے تو دریا ہو جاتا ہے۔[۵۷]

(۱۴) فقیر جانِ جہاں ہوتا ہے اور تمام عالم کی حقیقت کو غیب الغیب سے ظاہر کر سکتا ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔[۵۸]

(۱۵) کامل فقیر وہ ہے جو ایک دم کے لیے مجلس محمدی سے جدا نہ ہو۔[۵۹]

(۱۶) انسان کی شناخت یہ ہے کہ وہ باوفا ہو، جاں نثار اور کار آزمودہ ہو۔[۶۰]

(۱۷) کیا تجھے معلوم ہے کہ اصحاب کہف کو کس نے خدا رسیدہ بنا دیا؟

محبت و اخلاص نے[۶۱]

آپ نے حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ کے ملفوظات سماعت فرمائے، یہ ملفوظات کسی اور جہاں کی خبر دے رہے ہیں، یہ جہاں اللہ کے محبوب بندوں کے لیے مخصوص ہے، اس کے شب و روز اور زمان و مکاں اور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے محبوبوں کی راہ پر چلائے اور انھیں کے دامن سے وابستہ رکھے۔ بیشک ان کی راہ صراط مستقیم ہے اور ان کا دامن حبل اللہ ہے اس لیے ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

دربار شہنشہی سے خوش تر
مردانِ خدا کا آستانہ

شکریہ۔

(یہاں خطاب ختم ہوا)

۱۰۔ پروفیسر محمد انور رومان (سابق پرنسپل پوسٹ گریجویٹ کالج کوئٹہ)، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر، ''سوغات'' بمناسبت پاکستان گولڈن جوبلی ۱۹۹۷ء، سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) ۲۷۲-اے-او- بلاک ۳ سٹیلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ، بار اول: ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء ہدیہ: دعائے خیر

اس کا انتساب اور تعارف ملاحظہ فرمایئے:

انتساب

ماسٹر صاحب چلائے = ''ابے او چھوٹو! بیٹھ جاؤ!''

بچے نے کھڑے کھڑے کہا ''جناب میرا نام چھوٹو نہیں ہے!''

''تو پھر کیا ہے تمہارا نام؟'' ماسٹر صاحب نے جھلا کر پوچھا۔

''جناب! میرا نام محمد جان ہے!''

''تو بیٹھ جاؤ جان صاحب!'' ماسٹر صاحب نے طنزاً کہا

جناب! میرا نام جان صاحب نہیں۔ محمد جان ہے محمد جان!''

بچے نے زور دے کر کہا

''تو آپ بیٹھ جائیں محمد جان!'' ماسٹر صاحب ملائمت سے بولے اور بچہ بیٹھ گیا!

یہ انتخاب اس بچے کے نام سے منسوب ہے!

انور رومان

تعارف

کتنے بیدار بخت تھے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم جنہیں ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم آنحضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی براہ راست زیارت، رفاقت، اور قیادت میسر تھی! وہ بمصداق ''جمال ہمشیں درمن اثر کرد'' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل، خصائل اور فضائل سے مستفیض ہوکر اور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ڈھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کے ثناخواں کیوں نہ ہوتے، تاریخ عالم کے ماتھے کے جھومر کیوں نہ بنتے اور چہار دانگِ عالم میں بنی نوع انسان کے دلوں اور سینوں کو کیوں نہ اجالتے؟

کتنے بلند اختر تھے اور ہیں وہ اصحاب جو زمانی اور مکانی فاصلوں کے باوجود ''بعد از خدا بزرگ توئی'' اور ''تجھے یک نے یک بنایا'' سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ سدا بہار۔۔۔ صدیقین و شہدا و صالحین۔۔۔ میں شامل ہوکر اولیا و ائمۂ کرام بنے اور بنتے رہیں گے!

کتنے خوش قسمت تھے اور ہیں وہ حضرات جو ان فاصلوں کے باوجود قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے اپنے جذب عقیدت و معرفت کے بل پر محبوب کبریا کی نعت لکھتے رہے اور لکھتے رہیں گے! اور اپنی زبان میں اپنی اپنی قوت اظہار و قدرت بیان کے مطابق اور اپنی اپنی رسائی کی بنا پر حضرت حسان بن ثابت کی ریت پر چلتے

ہوئے، ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لمحہ بہ لمحہ دنیا کے کونے کونے میں تازہ بتازہ رکھتے ہوئے، ہر دن کو نہار النعت اور ہر رات کو لیل النعت بناتے رہے اور بتاتے رہیں گے!!!

نعت کا واحد، مستقل اور مسلسل موضوع ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور اسکا مقصد ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف۔

نعت کا معیار کیا ہے؟ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بالکل بجا، جتنی بھی ہو اتنی ہی کم، جتنی بھی زیادہ ہو اتنی ہی بابرکت اور فلاح دارین کا ذریعہ! حقیقت تو یہ ہے کہ ہر رنگ اور عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ہر تعریف و توصیف کا عنوان عز وشرف اور سرمایہ ناز وافتخار!

لیکن اس میں احتیاط بے حد ضروری ہے۔ بالخصوص دو خطرات سے بچنا یعنی افراط اور تفریط سے! کہیں ایسا نہ ہو کہ نعت گو جوشِ عقیدت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الوہیت کا درجہ دے بیٹھے یا پھر معروضیت کے شوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام بشر کی سطح پر لے آئے!

نابینا شخص کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا اور اس کے تصورات صرف شَنید پر ہی منحصر ہوتے ہیں اور وہ عین الیقین کی منزل میں کبھی داخل نہیں ہوسکتا۔ اسکے برعکس بینا شخص اپنے گردوپیش کو بچشمِ خود دیکھ سکتا ہے، چل پھر کر اپنے اس گردوپیش کو وسعت دے سکتا ہے اور آلات کے ذریعے اپنی قوت مشاہدہ کو بڑھا سکتا ہے۔ اسکے تصورات دید پر منحصر ہوتے ہیں اور وہ عین الیقین کی منزل میں مسلسل گامزن رہتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود اسکے مشاہدہ میں آنے والا علم اس علم کا عُشرِ عشیر بھی نہیں جو زمین وآسمان میں

موجود ہے۔ لیکن نبی وحی کے ذریعے مافی السماء والارض کو دیکھ سکتا ہے جو بینا کو کبھی نظر نہیں آ سکتا۔ گویا نبی اور بینا میں وہی فرق ہے جو بینا اور نابینا میں ہے۔!

اور پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ ہستی محیط ہیں جن کو وہ سب کچھ حاصل ہے جو تمام دیگر انبیاے کرام کو بحیثیتِ مجموعی حاصل تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بھی حاصل ہے جو کسی نبی کو میسر نہ تھا یعنی معراج جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتوں آسماں پار کر کے سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے، عین تجلی زار میں عرشِ بریں پر خالقِ کائنات سے ایسے ملے کہ فاصلے ''قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ''(دو کمانوں یا اس سے بھی کم) میں سمٹ کر رہ گئے اور آپ حبیب اللہ اور محبوب کبریا ٹھہرے! یہ واقعہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نظیر آپ اوّلیت، فوقیت اور سیادت عظمیٰ کا مظہر ہے وہاں بشری امکانیتوں کے انتہائی صعود کا نشان بھی ہے جسے باری تعالیٰ نے انسان کے لیے ممکن بنا دیا بشرطیکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنا کعبۂ فکر و عمل بنا سکے!

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشناس تا خدا بشناسی

(محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانو تا کہ خدا تعالیٰ کو پہچان سکو!)

میرے خیال میں نعت گو کو انھیں حدود کے اندر رہ کر اظہار عقیدت کرنا ہوگا۔ یہ جوشِ بے ہوش اور ہوشِ بے جوش کا معاملہ نہیں بلکہ جوشِ باہوش اور ہوشِ باجوش کا مقام ہے۔

ثانیاً نعت سراسر اول تا آخر آمد کی چیز ہے اور اس میں آورد کی کوئی گنجائش نہیں ثالثاً نعت کو تصویر سراپا، امید شفاعت اور اظہار عقیدت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افکار و اسالیب کا زیادہ سے زیادہ عکاس بھی ہونا چاہیے جن کی موجودہ

مسلم معاشروں کو اشد ضرورت ہے!

نعتوں کا یہ انتخاب انتالیس شعرا سے کیا گیا ہے جن میں پرانے بھی ہیں اور نئے بھی، کہنہ مشق بھی اور نومشق بھی اور مشہور و معروف بھی اور قدرے گمنام بھی! نعت ہمیشہ سے ہر طبقے، مسلک اور عمر کے لوگوں میں مقبول رہی ہے خواہ وہ لکھنے والے ہوں یا پڑھنے والے یا سننے والے!

یہ انتخاب بالخصوص نوجوانوں کے لیے کیا گیا ہے تاکہ انہیں نام مصطفیٰ ﷺ، احترام مصطفیٰ ﷺ، مقام مصطفیٰ ﷺ، نظام مصطفیٰ ﷺ، اور دوام مصطفیٰ ﷺ کا شعور حاصل ہو سکے! کوشش کی گئی ہے کہ آسان نعتیں منتخب کی جائیں اور وہ زیادہ تر چھوٹی بحر میں ہوں لیکن چونکہ اظہارِ عقیدت اور عکسِ حقیقت ہمیشہ آسان اور چھوٹی بحر کا پابند نہیں ہوتا اور ہر فنکار کے احساس و اظہار کی اپنی اپنی سطح ہوتی ہے لہٰذا مشکل اسلوب اور لمبی بحروں سے مکمل اجتناب یا فرار ممکن نہیں ہوتا۔

امید ہے کہ یہ انتخاب پسند کیا جائے گا اور مؤلفین کو اسے بہتر بنانے کی تجاویز سے نوازا جائے گا۔!

انور رومان

۳ جنوری ۱۹۹۶ء

۱۱ شعبان ۱۴۱۶ھ

بروز بدھ

﴿حوالہ جات﴾

[۲۳]۔ قرآن حکیم، سورۂ ال عمران، آیت نمبر ۳۱۔

[۲۴]۔ قرآن حکیم، سورۂ یونس، آیت نمبر ۶۲۔

[۲۵]۔ قرآن حکیم، سورۂ توبہ آیت نمبر ۱۱۹۔

[۲۶]۔ قرآن حکیم، سورۂ فاتحہ، آیت نمبر ۵-۶۔

[۲۷]۔ قرآن حکیم، سورۂ انعام، آیت نمبر ۱۵۳۔

[۲۸]۔ نور محمد سروری قادری کلاچوی: مخزن الاسرار و سلطان الاوراد، مطبوعہ لاہور، ص ۱۷۴۔

نوٹ: حضرت سلطان باہو علیہ الرحمۃ کے حالات نور محمد سروری قادری کلاچوی کی تالیف مخزن الاسرار (مطبوعہ لاہور) سے لیے گئے ہیں۔ فاضل مؤلف علم دینیات خصوصاً علم تصوف کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے، متاخرین و متقدمین سالکین و مشائخ کی کتابوں کو انھوں نے دیکھا اور پڑھا تھا اور بقول خود تیس سال تک سلطان باہو علیہ الرحمۃ کی فارسی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھتے رہے۔

(مخزن الاسرار و سلطان الاوراد، (ص ۱۹۶)۔

سلطان باہو علیہ الرحمۃ کی تصانیف کے بارے میں آپ کا خیال ہے:

''آپ کی تصانیف سراسر الفاظ نوری و کلمات حضوری پر مشتمل ہیں۔''

(مخزن الاسرار، ص ۲۰۹)

آپ کے نزدیک نوری کلام کے دو شاہد ہیں تاثیر اور تفسیر یعنی ایسے کلام کے پڑھنے سے دل منور ہوتا ہے اور غور و فکر کرنے سے نئے نئے اسرار و معارف سامنے آتے ہیں۔

[۲۹]۔ مخزن الاسرار، ص ۱۷۵

[۳۰]۔ مخزن الاسرار، ص ۱۷۶

[۳۱]۔ مخزن الاسرار، ص ۱۹۲

[۳۲]۔ سلطان حامد: مناقب سلطانی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۴۶

[۳۳]۔ مخزن الاسرار، ص ۲۰۷

[۳۴]۔ مخزن الاسرار، ص ۲۰۵

[۳۵]۔ مخزن الاسرار، ص ۲۱۱

[۳۶]۔ مخزن الاسرار، ص ۱۸۳

[۳۷]۔ مخزن الاسرار، ص ۱۸۶

[۳۸]۔ مخزن الاسرار، ص ۲۰۷

[۳۹]۔ مخزن الاسرار، ص ۱۸۰

[۴۰]۔ سلطان حامد: مناقب سلطانی، مطبوعہ لاہور، ص ۱۴۵

[۴۱]۔ مخزن الاسرار، ص ۱۹۱

[۴۲]۔ مناقب سلطانی، ص ۱۰۴

[۴۳]۔ سلطان حامد: مناقب سلطانی، مطبوعہ لاہور

[۴۴]۔ سلطان باہو: عقل بیدار، مطبوعہ لاہور ۱۳۳۰ھ (ترجمہ اردو)، ص ۳

[۴۵]۔ عقل بیدار، ص ۶

[۴۶]۔ عقل بیدار، ص ۵

[۴۷]۔ سلطان باہو: حُبّ الابرار، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۴۷

[۴۸]۔ حُبُّ الابرار، ص ۲۲

[۴۹]۔ عقل بیدار، ص ۱۴

[۵۰]۔ عقل بیدار، ص ۱۰

[۵۱]۔ حُبُّ الابرار، ص ۱۰

[۵۲]۔ عقل بیدار، ص ۲۲

[۵۳]۔ عقل بیدار، ص ۲۴

[۵۴]۔ حُبُّ الابرار، ص ۳۰

[۵۵]۔ عقل بیدار، ص ۱۲

[۵۶]۔ عقل بیدار، ص ۱۲ (ملخصاً)

[۵۷]۔ عقل بیدار، ص ۱۰

[۵۸]۔ عقل بیدار، ص ۱۴

[۵۹]۔ عقل بیدار، ص ۶

[۶۰]۔ عقل بیدار، ص ۱۵

[۶۱]۔ عقل بیدار، ص ۱۸

[۶۲]۔ عقل بیدار، ص ۲۷

x ..... x x

امام ربانی کانفرنس، کراچی
منعقدہ ۱۱ مارچ ۲۰۰۷ء

اس ناچیز نے اس کانفرنس میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور اس سے پہلے ''جہانِ امام ربانی'' کی بارہ جلدیں شائع ہو چکی تھیں اُن کے بارے میں اظہارِ خیال کیا۔

یہ اظہارِ خیال مجلّہ ''یادگارِ مجدّدِ الف ثانی''، کراچی کے شمارہ ۷، مطبوعہ ۲۰۰۸ء میں بعنوان

''حضرت امامِ ربانی مجدّدِ الفِ ثانی (چند اہم پہلو)''

ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

شکریہ

ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔

☆ ☆ ☆

ناشر

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا

(کراچی۔ پاکستان)

انٹرنیشنل